وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام

از روئے قرآنِ کریم

پہلی دلیل :- وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (المائدۃ : ۱۱۸)

مطلب :- اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ اے عیسیٰ! کیا تُو نے نصاریٰ کو تثلیث کی تعلیم دی تھی؟ آپ انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مَیں نے تعلیم تو کیا دینی تھی۔ میری زندگی میں اور میرے سامنے یہ عقیدہ ظاہر نہیں ہوا۔ مَیں ان کا نگران تھا مَا دُمْتُ فِيْهِمْ جب تک مَیں ان میں تھا۔ پھر جب تُو نے میری توفّی کر لی تو تُو ہی ان کا نگہبان تھا اور تُو ہر چیز کا محافظ ہے۔

استدلال نمبر ۱ :- اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو زمانے بتائے ہیں۔ پہلا اپنی قوم میں حاضری کا (مَا دُمْتُ فِيْهِمْ) اور دوسرا غیر حاضری کا (كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ) اور ان دونوں زمانوں کے درمیان حدِ فاصل تَوَفَّيْتَنِيْ ہے۔ گویا انکی اپنی قوم سے غیر حاضری سے پہلے "وفات" ہے کیونکہ غیر حاضری کی وجہ تَوَفَّيْتَنِيْ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنی قوم میں حاضر ہیں یا غیر حاضر؟ چونکہ غیر حاضر ہیں لہٰذا ان کی توفّی ہو چکی ہے۔

استدلال نمبر ۲ :- اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ اقرار فرماتے ہیں کہ تثلیث پرستی کا عقیدہ میری زندگی میں نہیں پھیلا بلکہ میری توفّی کے بعد پھیلا ہے اور اس زمانہ میں عیسائیوں کی تثلیث پرستی ایک کھلی حقیقت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدۃ : ۷۴) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدۃ : ۱۸) کہ ان لوگوں نے کُفر کیا جنہوں نے کہا کہ خُدا تین میں سے ایک ہے اور ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خُدا ہے۔

پس صاف نتیجہ نکلا کہ حضرت عیسیٰؑ کی توفّی ہو چکی ہے یعنی وہ فوت ہو چکے ہیں۔

غیر احمدی :- حضرت مرزا صاحب نے چشمۂ معرفت صفحہ ۲۵۴ طبع اوّل پر لکھا ہے :-

"انجیل پر ابھی تیس برس بھی نہیں گزرے تھے کہ بجائے خدا کی پرستش کے ایک عاجز انسان کی پرستش نے جگہ لے لی۔" (محمدیہ پاکٹ بُک صفحہ ۴۰۰ طبع اوّل مارچ ۱۹۳۵ء، صفحہ ۵۲۹ طبع دوم)

جواب :- اس حوالہ میں انجیل کا ذکر ہے مسیح کی ہجرت کا ذکر نہیں اور انجیل اس وحی کے مجموعہ کا نام

ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر ان کی وفات تک نازل ہوتی رہی جس طرح قرآن مجید آنحضرت ﷺ کی وفات کے قریب زمانہ تک نازل ہوتا رہا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح و ...... عیسیٰ (النساء: ۱۶۳) یعنی اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ پر اسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح نوح اور ...... عیسیٰ علیہم السلام اور دیگر انبیاء پر۔ پس چشمہ معرفت کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات (جو ۱۲۰ برس کی عمر میں ہوئی) کے تیس برس کے قریب بعد عیسائی بگڑ گئے۔ نہ یہ کہ حضرت عیسیٰ کی زندگی ہی میں مسیح کی پرستش شروع ہو گئی تھی۔

تَوَفِّیْ کے معنے

حضرت امام بخاریؒ نے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ مائدہ زیر آیت مَا جَعَلَ اللّٰہُ من بحیرۃ۔ المائدۃ: ۱۰۴) کہ حضرت ابن عباسؓ کے فیصلہ کے بعد کسی دوسرے شخص کی بات قابل قبول نہیں۔ اس حالت میں کہ جب قرآن مجید واحادیث ولُغت وتفاسیر کے مندرجہ ذیل حوالجات بھی ان کی تائید میں ہیں۔ (تفسیر ابن عباسؓ کے متعلق نوٹ آگے ملاحظہ فرمائیں ص۱۸۳)۔

لفظ توفّی باب تفعّل کا مصدر ہے۔ سو قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اس کا کوئی مشتق استعمال ہوا ہے جب اللہ تعالےٰ یا ملائکہ اس کا فاعل ہوں یا صیغہ مجہول ہو اور غائب مفعول اس کا انسان ہو تو سوائے قبض رُوح کے اور کوئی معنے نہیں اور وہ قبضِ رُوح بذریعہ موت ہے۔ سوائے اس مقام کے کہ جہاں لیل یا منام کا قرینہ موجود ہو تو وہاں قبضِ رُوح کو نیند ہی قرار دیا گیا ہے۔ بہرحال قبضِ جسم کسی جگہ بھی مراد نہیں چنانچہ قرآن کریم میں علاوہ متنازعہ فیہ جگہ کے ۲۳ جگہ لفظ توفّی کا مشتق استعمال ہوا ہے۔

۱۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (دو مرتبہ البقرۃ: ۲۳۵، ۲۴۱)
۳۔ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران: ۱۹۴)
۴۔ حَتّٰى یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ (النساء: ۱۶)
۵۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (النساء: ۹۸)
۶۔ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (الانعام: ۶۲)
۷۔ یَتَوَفَّوْنَهُمْ (الاعراف: ۳۸)
۸۔ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ (الاعراف: ۱۲۷)
۹۔ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ (الرعد: ۴۱)
۱۰۔ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ (یونس: ۴۷)
۱۱۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا (یوسف: ۱۰۲)
۱۲۔ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (دو مرتبہ النحل: ۳۳)

۱۴۔ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ (النحل : ۷۱)

۱۵۔ مَنْ يُّتَوَفّٰى (الحج : ۶)

۱۶۔ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ (السجدة : ۱۲)

۱۷۔ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر : ۴۳)

۱۸۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى (المومن : ۶۸)

۱۹۔ اَوْنَتَوَفَّيَنَّكَ (المومن : ۷۸)

۲۰۔ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (محمد : ۲۸)

۲۱۔ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ (الانعام : ۶۱)

۲۲۔ اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (الانفال : ۵۱)

۲۳۔ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ (یونس : ۱۰۵)

کتب احادیث سے اس کی مثالیں

بخاری میں ایک باب (بخاری کتاب المناقب باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہے "باب توفّی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم" پھر آنحضرتؐ نے صاف فرما دیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی توفّی کے وہی معنے ہیں جو میری توفّی کے ہیں۔ فرمایا :-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّهٗ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اُصَيْحَابِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔ فَيُقَالُ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰٓى اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ (بخاری کتاب التفسیر جلد ۳ صفحہ ۹۱ مصری و جلد ۲ صفحہ ۱۵۹ کتاب بدء الخلق مصری)

ترجمہ :- آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری اُمّت کے کچھ لوگ دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے تو مَیں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ جواب ملے گا تُو نہیں جانتا کہ تیرے پیچھے انہوں نے کیا کیا۔ اُس وقت مَیں وہی کہوں گا جو اللہ تعالیٰ کے صالح بندے عیسیٰؑ نے کہا تھا کہ مَیں ان کا اسی وقت تک کا نگران تھا جب تک اُن میں تھا اور جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو تُو ہی اُن کا نگہبان تھا۔

نتیجہ :- اس حدیث سے صاف نتیجہ نکلا کہ حضرت عیسیٰؑ کی توفّی کی صورت وہی ہے جو آنحضرتؐ کی توفّی کی ہے۔ ورنہ آپ کا یہ فرمانا فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ درست نہیں رہتا۔

اب دیکھو آنحضرتؐ نے بعینہٖ وہی لفظ تَوَفَّيْتَنِيْ جو مسیح کے لئے استعمال ہوا ہے اپنے لئے استعمال فرمایا ہے۔ پس تعجب ہے کہ آنحضرتؐ کے لئے جب لفظ توفّی آئے تو اس کے معنی "موت" لئے جائیں مگر جب وہی لفظ حضرت مسیحؑ کے متعلق استعمال ہو تو اس کے معنے آسمان پر اُٹھا لئے جائیں۔

ایک لطیفہ:- اس کے جواب میں مؤلف محمدیہ پاکٹ بک لکھتا ہے:-

"ایک ہی لفظ جب دو مختلف اشخاص پر بولا جاتے تو حسبِ حیثیت و شخصیت اس کے جُدا جُدا معنے ہوتے ہیں۔ دیکھئے حضرت مسیح اپنے حق میں نفس کا لفظ بولتے ہیں اور خدائے پاک بھی ...... اب کیا خدا کا نفس اور مسیح کا نفس ایک جیسا ہے؟

جواب:- گویا آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثال حضرت مسیح کے بالمقابل ویسی ہی ہے۔ جیسی مسیح کی اللہ تعالیٰ کے بالمقابل۔ اور گویا آپ کے نزدیک آنحضرتؐ کی حیثیت اور شخصیت مسیحؑ کی حیثیت اور شخصیت سے مختلف نوعیت کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف محمدیہ پاکٹ بک بھی در پردہ الوہیتِ مسیح کا قائل ہے ورنہ آنحضرتؐ اور مسیحؑ کی حیثیت نبوت اور بشریت کے لحاظ سے نوع ہرگز مختلف نہیں اور نہ خُدا کی مثال پر حضرت مسیحؑ کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔ پس غیر احمدی کا جواب محض نفس کا دھوکہ اور قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ یہ تو درست ہے کہ انسان کا قیاس خدا پر نہیں کیا جاسکتا لیکن نبی کا قیاس نبی پر اور انسان کا قیاس انسان پر تو کیا جاسکتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ " کہ اے محمد رسول اللہ! کہدے کہ میں بھی پہلے انبیاء کی طرح ایک نبی ہوں۔ نیز وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آلِ عمران: ۱۴۵)

پس جو معنی آنحضرتؐ کی توفی کے ہیں بعینہٖ وہی معنی حضرت عیسیٰؑ کی توفی کے بھی لینے پڑیں گے۔ پھر بخاری میں ہے قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ کہ حضرت ابن عباسؓ نے مُتَوَفِّيْكَ کے معنی موت کئے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ مائدہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ ... ۱۵۱)

تفسیر ابن عباسؓ

نوٹ: بعض غیر احمدی مولوی "تفسیر ابن عباسؓ" کے حوالے سے کہدیا کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ تو حیاتِ مسیح کے قائل تھے اور وہ آیت يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (آلِ عمران ۵۶) میں تقدیم تاخیر کے قائل تھے۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم نے حضرت ابن عباسؓ کا جو مذہب پیش کیا ہے وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی صحیح بخاری میں درج ہے جس کی صحت اور اصالت میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا مگر وہ مختلف اقوال جو دوسری تفاسیر یا "تفسیر ابن عباسؓ" کے نام سے مشہور کتاب میں درج ہیں وہ قابلِ استناد نہیں کیونکہ ان تمام تفاسیر کے متعلق محققین کی رائے ہے کہ وہ جعلی اور جھوٹی تفسیریں ہیں جو حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کردی گئی ہیں چنانچہ لکھا ہے:-

۱- وَمِنْ جُمْلَةِ التَّفَاسِيْرِ الَّتِيْ لَا يُوْثَقُ بِهَا تَفْسِيْرُ ابْنِ عَبَّاسٍؓ فَاِنَّهٗ مَرْوِيٌّ مِنْ طَرِيْقِ الْكَذَّابِيْنَ۔

(فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ مصنفہ علامہ شوکانی ۱۲۵۰ھ و مطبوعہ در مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۳ھ صفحہ ۱۰۴)

یعنی ناقابلِ اعتبار اور غیر معتبر تفسیروں میں سے ایک تفسیر ابن عباس بھی ہے کیونکہ وہ کذّاب راویوں سے مروی ہے۔

۲۔ حضرت امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: هٰذِهِ التَّفَاسِيْرُ الطِّوَالُ الَّتِيْ أَسْنَدُوْهَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ غَيْرُ مَرْضِيَّةٍ وَرُوَاتُهَا مَجَاهِيْلُ (تفسیر اتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۹) یہ لمبی لمبی تفسیریں جن کو مفسرین نے ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے ناپسندیدہ اور ان کے راوی غیر معتبر ہیں (خادم)

توفی کے معنی عرف عام میں

قرآن مجید اور احادیث کے علاوہ اگر عرف عام کو بھی دیکھا جائے تو بھی متوفی کے معنی میت کے ہی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر پٹواری کے رجسٹر اور دیگر دفاتر کو دیکھ لو۔ اور جنازہ کی دعامیں وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِسْلَامِ کہ جس کو تو ہم میں سے وفات دے تو اس کو اسلام پر ہی وفات دے۔

توفی کے معنی لغت سے

صحاح میں لفظ توفی کے نیچے ہے تَوَفَّاهُ اللّٰهُ أَيْ قَبَضَ رُوْحَهُ پھر لکھا ہے۔ تُوُفِّيَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَأَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ پا لیا اس کو موت نے (اساس البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۳۴۱)

اَلْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ۔ قَبَضَ رُوْحَهُ (قاموس جلد ۴ صفحہ ۴۰۳)

تَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا قَبَضَ نَفْسَهُ (تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۳)

اَلْوَفَاةُ الْمَنِيَّةُ وَالْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتُوُفِّيَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ إِذَا قَبَضَ نَفْسَهُ وَفِي الصِّحَاحِ إِذَا قَبَضَ رُوْحَهُ (لسان العرب جلد ۲۰ صفحہ ۲۷۰) جب اس کے نفس کو اللہ تعالیٰ قبض کرے۔ اور صحاح جوہری میں بجائے نفس کے روح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

تَوَفَّاهُ اللّٰهُ أَيْ قَبَضَ رُوْحَهُ (صحاح جوہری زیر لفظ توفی)

مُتَوَفّٰی۔ وفات یافتہ، مرا ہوا، انتقال کردہ شدہ جہان سے گزرا ہوا (فرہنگ آصفیہ جلد ۴ صفحہ ۲۸۲)

بعض تراجم میں توفی کے معنے بھر لینے کے لکھے ہیں اور اس کا مطلب بھی موت دینا ہے۔

(فرہنگ آصفیہ " " ")

توفی کا مادہ

کلیات ابوالبقاء صفحہ ۱۲۹ پر لکھا ہے۔ اَلتَّوَفِّيْ۔ اَلْإِمَاتَةُ وَقَبْضُ الرُّوْحِ وَعَلَيْهِ اِسْتِعْمَالُ الْعَامَّةِ ۔۔۔۔ وَالْفِعْلُ مِنَ الْوَفَاةِ تُوُفِّيَ عَلٰى مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَتَوَفّٰى نَفْسَهُ فَالْمُتَوَفِّيْ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَوْ أَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَزَيْدٌ هُوَ الْمُتَوَفّٰى۔ یعنی توفی کے معنے مارنے اور قبض روح کرنے کے ہیں اور عام لوگوں کا استعمال اسی معنی پر ہے اور اشتقاق اس کا وفات سے ہے۔ توفی مجہول استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ انسان خود اپنی جان کو قبض نہیں کرتا کیونکہ مارنے والا اللہ تعالیٰ ہے یا کوئی اس کا فرشتہ ہے اور انسان وہ ہے جس کو موت دی جاتی ہے۔

توفی کے معنی احادیث سے

۱۔ قَالَ إِنَّهُ سَيَكُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَا شَاءَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً

فَيُتَوَفّٰى كُلُّ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَيَبْقٰى مَنْ لَا خَيْرَ فِيْهِ فَيَرْجِعُوْنَ اِلٰى دِيْنِ اٰبَائِهِمْ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۸۴ و ۳۸۶)

۲- عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اِلَّا تَلْبِسُ الْمُعَصْفَرَةَ مِنَ الثِّيَابِ۔ الخ (مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ جلد ۶ صفحہ ۳۰۳ مصری)

۳- عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكٰى وَبَكٰى اَصْحَابُهٗ تُوُفِّيَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ رَوَاهُ ابْنُ جَرِيْرٍ۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۲)

۴- اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ مَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ طَفِقْتُ اَنْفُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ۔ الخ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۹۔ مصری)

۵- اِنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ رَاَيْتُ ثَلٰثَةَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِيْ حُجْرَتِيْ فَقَصَصْتُ رُؤْيَايَ عَلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ رضی اللہ عنہ قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُفِنَ فِيْ بَيْتِهَا قَالَ لَهَا اَبُوْ بَكْرٍ هٰذَا اَحَدُ اَقْمَارِكِ وَهُوَ خَيْرُهَا۔ (موطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ مصر)۔

۶- عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ وَالَّذِيْ تَوَفّٰى نَفْسَهٗ تَعْنِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تُوُفِّيَ حَتّٰى كَانَتْ اَكْثَرُ صَلَاتِهٖ قَاعِدًا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ الخ

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۰۴ مصری)

۷- عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّهَا قَالَتْ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ قَالَ لَهَا يَا بُنَيَّةُ اَيُّ يَوْمٍ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ الخ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۸ مصری)

۸- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ لِطَلْحَةَ ابْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ مَالِيْ اَرَاكَ قَدْ شَعِثْتَ وَاغْبَرَرْتَ مُنْذُ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ الخ

(مسند امام احمد بن حنبل مصری جلد ۱ صفحہ ۲۸)

۹- عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَزِنُوْا عَلَيْهِ حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ وَكُنْتُ مِنْهُمْ فَقُلْتُ لِاَبِيْ بَكْرٍ تَوَفَّى اللّٰهُ نَبِيَّهٗ۔ الخ۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۴۳ مصری)

تَوَفّٰی کے لئے انعامی اشتہار

چونکہ متنازعہ فیہ جگہ میں تَوَفّٰی باب تَفَعُّل سے ہے اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور ذی روح یعنی حضرت عیسیٰؑ مفعول ہیں اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسی صورت میں تَوَفّٰی کے معنے سوائے قبض روح کے دکھانے والے کو ایک ہزار روپیہ انعام مقرر فرمایا ہے مگر آج تک کوئی مرد میدان

نہیں بنا جو یہ انعام حاصل کرتا، اور نہ ہی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بعض غیر احمدی مولوی کہا کرتے ہیں کہ تم نے توفّی کے متعلق یہ قاعدہ کہاں سے لیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فاعل اور کوئی ذی رُوح مفعول ہو۔ تو اس کے معنی قبض روح یا موت کے ہوتے ہیں؛ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ قاعدہ کوئی من گھڑت قاعدہ نہیں ہے، بلکہ کتب لغت میں مذکور ہے جیسا کہ قاموس، تاج العروس اور لسان العرب میں ہے۔

۱۔ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ۔ قَبَضَ رُوْحَهٗ (قاموس جلد ۴ صفحہ ۴۰۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ذی رُوح کی توفّی کی۔ یعنی اس کی روح قبض کر لی۔ اس حوالہ میں لفظ توفّی باب تفعّل سے ہے۔ اللہ فاعل مذکور ہے اور "ہٗ" کی ضمیر بھی جو ذی روح کی طرف پھرتی ہے۔ اس کے معنے قبض روح صاف طور پر لکھے ہیں۔

اسی طرح تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۳ اور لسان العرب جلد ۲۰ صفحہ ۲۸ کے حوالے پہلے صفحہ ۱۸۳ پر درج ہو چکے ہیں۔

۲۔ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ اَيْ قَبَضَ رُوْحَهٗ۔ اللہ تعالیٰ نے فلاں شخص کی توفّی کی، یعنی اس کی رُوح کو قبض کیا۔ (صحاح الجوہری)

۳۔ استقراء کے طور پر یہ قاعدہ ہے، اس کے خلاف ایک مثال ہی بموجب شرائط پیش کرو۔ جو یقیناً ناممکن ہے۔ (خادم)

غیر احمدیوں کے عذر کا جواب

محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۱۲ پر جو توفّی کے معنے تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر کے حوالہ سے اَلتَّوَفِّيْ۔ اَخْذُ الشَّيْءِ وَافِيًا اور تَوَفَّيْتُ مِنْهُ دَرَاهِمِيْ مذکور ہیں۔ ان ہر دو مثالوں میں توفّی کا مفعول ذی روح نہیں۔ بلکہ پہلی مثال میں شَيْء اور دوسری میں درھم غیر ذی روح مفعول ہے۔ مگر يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ میں مفعول حضرت عیسٰیؑ ذی روح ہیں۔

براہینِ احمدیہ کے حوالہ کا جواب

اسی طرح محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۱۵ پر۔ براہینِ احمدیہ صفحہ ۵۱۹ حاشیہ کے حوالہ سے جو ترجمہ آیت: اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کا بدیں الفاظ درج کیا گیا ہے کہ "میں تجھ کو پُوری نعمت دوں گا" وہ حجت نہیں کیونکہ اسی براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۵۶ پر اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کا ترجمہ "وفات دوں گا" بھی درج ہے جو درست ہے۔ "نعمت دُونگا" والا ترجمہ لائق استناد نہیں کیونکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ ترجمہ مستند نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

الف:۔ یاد رہے کہ براہین احمدیہ میں جو کلماتِ الٰہیہ کا ترجمہ ہے وہ بباعث قبل از وقت ہونے کے کسی جگہ مجمل ہے اور کسی جگہ معقول رنگ کے لحاظ سے کوئی لفظ حقیقت سے پھیرا گیا ہے یعنی صرف عن الظاہر

کیا گیا ہے ..... پڑھنے والوں کو چاہیئے کہ کسی ایسی تاویل کی پرواہ نہ کریں"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم حاشیہ صفحہ ۷۴)

ب۔ "مَیں نے براہین احمدیہ میں غلطی سے تَوَفّی کے معنی ایک جگہ پورا دینے کے کئے ہیں جس کو بعض مولوی صاحبان بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر یہ امر جائے اعتراض نہیں۔ مَیں مانتا ہوں کہ وہ میری غلطی ہے، الہامی غلطی نہیں۔ مَیں بشر ہوں اور بشریت کے عوارض مثلاً جیسا کہ سہو اور نسیان اور غلطی یہ تمام انسانوں کی طرح مجھ میں بھی ہیں۔ گو مَیں جانتا ہوں کہ کسی غلطی پر مجھے خدا تعالیٰ قائم نہیں رکھتا، مگر یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ مَیں اپنے اجتہاد میں غلطی نہیں کر سکتا۔ خدا کا الہام غلطی سے پاک ہوتا ہے مگر انسان کا کلام غلطی کا احتمال رکھتا ہے۔ کیونکہ سہو و نسیان لازمہ بشریت ہے" (ایام الصلح صـ۴۱)

ج۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ ایام الصلح کی عبارت میں تحریر فرمایا ہے وہ قرآن مجید و احادیث نبوی کے عین مطابق ہے کیونکہ یہی بات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمائی ہے جیسا کہ فرمایا:۔

مَاحَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ سُبْحٰنَهُ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيْهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَ اُصِيْبُ (نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی صـ۳۹۲) کہ جو بات میں اللہ تعالیٰ کی وحی سے کہوں تو وہ درست ہوتی ہے (یعنی اس میں غلطی کا امکان نہیں) لیکن جو بات میں اس وحی الٰہی کے ترجمہ و تشریح کے طور پر اپنی طرف سے کہوں تو یاد رکھو کہ میں بھی انسان ہوں، مَیں اپنے خیال میں غلطی بھی کر سکتا ہوں۔

تفصیل کے لیے دیکھو پاکٹ بک ہذا۔ الہامات پر اعتراضات کا جواب صـ۴۱۸)

اسی طرح بخاری میں بھی ہے۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجہ الی القبلۃ جلد ۱ صـ۵۴) کہ مَیں بھی انسان ہوں، تمہاری طرح مجھ سے بھی نسیان ہو جاتا ہے۔

تَوَفِّيْ کے معنی تفاسیر سے

۱۔ تفسیر خازن جلد ۱ صـ۲۸۵ پر ہے۔ اَلْمُرَادُ بِالتَّوَفِّيْ حَقِيْقَةُ الْمَوْتِ۔ یعنی توفی سے مراد موت کی حقیقت ہے۔ (تفسیر خازن نیا ایڈیشن جلد ۱ صـ۲۴۰)

۲۔ تفسیر کبیر جلد ۶ صـ۱۸۹ پر لکھا ہے۔ مُتَوَفِّيْكَ کے معنے ہیں۔ مُتَمِّمُ عُمْرَكَ فَحِيْنَئِذٍ اَتَوَفَّاكَ فَلَآ اَتْرُكُهُمْ حَتّٰى يَقْتُلُوْكَ۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ صـ۷۴۔ آل عمران ۵۶)

۳۔ تفسیر درمنثور جلد ۲ صـ۳۶ مطبوعہ مصر پر لکھا ہے۔ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ مِنْ طَرِيْقِ عَلِيٍّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ يَقُوْلُ اِنِّيْ مُمِيْتُكَ۔ یعنی ابن عباسؓ مُتَوَفِّيْكَ کے معنی مارنے والا کرتے ہیں۔

۴۔ تفسیر فتح البیان جلد ۳ صـ۱۳۳ پر لکھا ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے نیچے قِيْلَ هٰذَا يَدُلُّ

عَلٰی اَنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ تَوَفَّاہُ قَبْلَ اَنْ یَّرْفَعَہٗ یعنی خدا تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اٹھانے سے قبل وفات دے دی تھی۔

۵۔ ا۔ تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۶۶ پر مُتَوَفِّیْکَ کے معنے لکھے ہیں ، وَمُمِیْتُکَ حَتْفَ اَنْفِکَ یعنی طبعی موت سے مارنے والا ہے۔ (نیا ایڈیشن جلد ۱ صفحہ ۳۲۵)

۶۔ ب۔ تفسیر مدارک برحاشیہ خازن جلد ۱ صفحہ ۲۸۴۔ ایضاً

۷۔ تفسیر سر سید احمد خاں صاحب جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ "پھر جب تُو نے مجھ کو فوت کیا ، تو تُو ہی ان پہ نگہبان تھا۔"

۸۔ تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹ پر ہے زیر آیت مُتَوَفِّیْکَ۔ قَالَ اَبُوْزَیْدٍ مُتَوَفِّیْکَ قَابِضُکَ ....وَالْمَعْنٰی کَمَا قَالَ فِی الْکَشَّافِ۔ الخ اس نے بھی کشاف کے معنوں کو قبول کیا ہے اور وہ گزر چکے ہیں۔

۹۔ تاج التفاسیر جلد ۱ صفحہ ۴۹ زیر آیت یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ (البقرۃ ، ۲۳۵) اَیْ یَمُوْتُوْنَ مِنْکُمْ۔

۱۰۔ سراج التفاسیر جلد ۱ صفحہ ۱۲۵۔ یُتَوَفَّوْنَ اَیْ یَمُوْتُوْنَ۔

۱۱۔ مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ اَیْ یُقْبَضُوْنَ وَیَمُوْتُوْنَ ۔ (جزء ۲ صفحہ ۲۳۴)

۱۲۔ فتح البیان جلد ۱ صفحہ ۳۰ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَالْمَعْنٰی اَلَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ۔

۱۳۔ دُر الاسرار جلد ۱ صفحہ ۳۰ یُتَوَفَّوْنَ یُوَرُّوْدِ حِمَامِہِمْ۔

۱۴۔ ترجمۃ القرآن تفسیر عبداللہ چکڑالوی صفحہ ۲۰۲ وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ اور جو لوگ مر جاویں گے تم میں سے۔

۱۵۔ روح البیان جلد ۱ صفحہ ۲۳۹ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ اَیْ یَمُوْتُوْنَ وَیُقْبَضُ اَرْوَاحُہُمْ بِالْمَوْتِ۔ (نیا ایڈیشن جلد ۱ صفحہ ۳۶۶)

۱۶۔ فتح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۳۴ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰہُمْ اَیْ تَقْبِضُ اَرْوَاحَہُمْ۔

۱۷۔ " " ۸ صفحہ ۲۹۰ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا اَیْ یَقْبِضُ الْاَرْوَاحَ عِنْدَ حُضُوْرِ اٰجَالِہَا۔

۱۸۔ روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۳۶۹ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی اَیْ مِنْکُمْ مَّنْ یَّمُوْتُ مِنْ قَبْلِ الشَّیْخُوْخَۃِ بَعْدَ بُلُوْغِ الرُّشْدِ اَوْ قَبْلَہٗ۔ ایضاً

۱۹۔ روح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۰۳ و ۳۰۴۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا یُقَالُ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ قَبَضَ رُوْحَہٗ کَمَا فِی الْقَامُوْسِ ....وَمَعْنَی الْاٰیَۃِ یَقْبِضُ اللّٰہُ الْاَرْوَاحَ الْاِنْسَانِیَّۃَ عَنِ الْاَبْدَانِ۔ الخ (نیا ایڈیشن جلد ۸ صفحہ ۱۱۳)

۲۰۔ روح البیان جلد ۳ صفحہ ۴۳ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ قَالَ فِی الصِّحَاحِ تَوَفَّاہُ قَبَضَ

رُوْحَهُ وَالْوَفَاةُ اَلْمَوْتُ ۔ (نیا ایڈیشن جلد ۸ صفحہ ۱۱۳)

۲۱۔ روح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۶۸ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفّٰى يُقْبَضُ رُوْحُهٗ وَيَمُوْتُ ۔

۲۲۔ روح البیان جلد ۸ صفحہ ۲۱۴ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ اگر ببرانیم ترا پیش از ظہور آں عذاب ۔

۲۳۔ روح البیان جلد ۲ صفحہ ۳۳۱ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَیْ یَقْبِضُ اَرْوَاحَهُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ وَاَعْوَانُهٗ ۔

۲۴۔ روح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ اَیْ نَقْبِضُ رُوْحَكَ الطَّاهِرَةَ قَبْلَ اِرَاءَةِ ذٰلِكَ ۔ (نیا ایڈیشن جلد ۴ صفحہ ۳۸۸ تفسیر سورۃ الرعد : ۴۱)

۲۵۔ روح البیان جلد ۲ صفحہ ۶۴۳ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفّٰى اَیْ یُقْبَضُ رُوْحُهٗ وَیَمُوْتُ بَعْدَ بُلُوْغِ الرُّشْدِ اَوْ قَبْلَهٗ ..... وَالتَّوَفِّیْ عِبَارَةٌ عَنِ الْمَوْتِ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ قَبَضَ رُوْحَهٗ ۔

۲۶۔ روح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا اَیْ اِقْبِضْنِیْ اِلَیْكَ مُخْلِصًا بِتَوْحِیْدِكَ ۔

۲۷۔ انوار التنزیل مصنفہ قاضی ناصر الدین عبداللہ البیضاوی صفحہ ۳۲۰ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا اِقْبِضْنِیْ ۔

مفسرین کو غلطی لگی ہے

فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹ زیر آیت مُتَوَفِّيْكَ لکھا ہے :۔

وَاِنَّمَا احْتَاجَ الْمُفَسِّرُوْنَ اِلٰی تَاْوِیْلِ الْوَفَاةِ بِمَا ذُکِرَ لِاَنَّ الصَّحِیْحَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی رَفَعَهٗ اِلَی السَّمَاءِ مِنْ غَیْرِ وَفَاتٍ كَمَا رَجَّحَهٗ كَثِیْرٌ مِّنَ الْمُفَسِّرِیْنَ وَاخْتَارَهٗ اِبْنُ جَرِیْرِ الطَّبَرِیُّ وَوَجْهُ ذٰلِكَ اَنَّهٗ قَدْ صَحَّ فِی الْاَخْبَارِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نُزُوْلُهٗ وَقَتْلُهُ الدَّجَّالَ ۔ یعنی کہتے ہیں کہ مفسرین نے جو وفاتِ عیسیٰ کی نص کی تاویلیں کی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیثوں میں ان کے لئے نزول کا لفظ دیکھا اور ان کے قتلِ دجال کا بیان پڑھا۔ حالانکہ نزول سے آسمان پر جانا اور قتلِ دجال کے ذکر سے بعینہٖ انکا زندہ رہنا ثابت نہیں ہوتا۔

(تفصیل اپنی جگہ پر دیکھیں)

دوسری دلیل ۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ (آل عمران : ۵۶)

ترجمہ :۔ جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ میں ہی تجھے وفات دینے والا ہوں اور عزت دینے والا ہوں تجھ کو اور یہودِ نامسعود کے اعتراضات سے تجھے بری الذمہ کرنے والا ہوں اور تیرے ماننے والوں کو قیامت تک نہ ماننے والوں پر غالب کرنے والا ہوں ۔

استدلال :۔ اللہ تعالیٰ نے مُتَوَفِّيْكَ کو پہلے رکھا ہے ، ہمارا کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ترتیب کو بدلیں ورنہ اس کی حکمت پر الزام آئے گا کہ اس نے اس چیز کو جو پیچھے تھی بلاوجہ آگے کر دیا (نعوذ باللہ)

دوم :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضور پہلے صفا کا طواف کریں گے یا مروہ کا ۔ آپ نے فرمایا ۔

اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ اس سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔ پس ہمیں بھی وہی پہلے رکھنا چاہیئے جس کو اللہ تعالیٰ نے پہلے رکھا ہے (نیز دیکھو محمدیہ پاکٹ بک ص۵۳۱۔ بحوالہ مسلم وجلالین)

سوم :۔ اگر مُتَوَفِّيكَ کو پیچھے کیا جائے تو ساری ترکیب ہی درہم برہم ہو جائیگی اور صحیح طور پر مُتَوَفِّيكَ کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ کیونکہ وعدہ عٰٔ اب شروع ہے اور الیٰ یوم القیامۃ رہے گا۔ تَوَفِّی کے معنے اوپر گذر چکے ہیں اور رفع کے معنے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النسآء : ۱۵۹) کی بحث میں ملاحظہ کریں۔

غیر احمدی :۔ واؤ ترکیب کے لئے نہیں ہوتی جیساکہ قرآن مجید کی آیت وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (النحل : ۷۹) میں ہے۔

جواب :۔ آیت محوّلہ میں تو نہایت پُر معارف ترتیب ہے کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اس کی آنکھیں بند ہوتی ہیں ہاں کان کُھلے ہوتے ہیں، سن سکتا ہے اسی لئے سب سے پہلے اس کے کان میں اذان دینے کا حکم ہے۔ پس اس وجہ سے قرآن مجید میں سَمْعَ (سننے کو) پہلے رکھا گیا ہے دیکھنے کی قوت بعد میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے اَبْصَار کو بعد میں بیان کیا گیا ہے۔ اور چونکہ عقل اور سمجھ بہت بعد میں آتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اَفْئِدَةً (دل) کو سب سے پیچھے رکھا ہے۔ "دل" عقل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیساکہ قرآن مجید میں ہے۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (الاعراف : ۱۸۰) کہ ان کے دل ہیں مگر ان دلوں سے یہ سمجھتے نہیں۔ پس آیت قرآنی میں حد درجہ ایمان افروز ترتیب ہے اس طرح وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ (البقرۃ : ۵۹) میں بھی ہر دو مقامات پر عدم ترتیب نہیں کیونکہ حِطَّةٌ کہنا دروازے میں داخل ہونے کے ساتھ ہی ہر دو مقامات میں بیان ہوا ہے یعنی دروازے میں داخل ہونا اور حِطَّةٌ کہنا قرآن مجید کی دونوں آیات وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ اور قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا میں بیک وقت وقوع میں آنا بیان ہوا ہے۔ پس اس میں بھی تقدیم تاخیر کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پس حق اور سچ بات یہی ہے کہ انسان کے کلام میں تو واؤ عالیہ اگر بغیر صحیح ترتیب کے مستعمل ہو تو ممکن ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر ترتیب کے نہیں ہوسکتا۔ تعجب ہے کہ حیاتِ مسیح کے باطل عقیدہ نے تم کو قرآن مجید کے مرتّب اور مسلسل کتاب ہونے کا بھی منکر بنادیا۔ سچ ہے ؎ خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج ۔ تا ثریا مے رَوَد دیوار کج

تیسری دلیل۔ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ (المائدۃ : ۷۶) ترجمہ :۔ نہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول البتہ آپ سے پہلے رسول سب فوت ہو چکے اور آپ کی والدہ راستباز تھی۔ وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔

استدلال :۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ اور مریم کے ترکِ طعام کو ایک جگہ بیان فرما کر ظاہر کر دیا کہ دونوں کے یکساں واقعات ہیں۔ اب مریم کے ترکِ طعام کی وجہ موت مسلّم ہے تو ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیح کے ترکِ طعام کی بھی یہی وجہ تھی کیونکہ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ماضی استمراری ہے گویا اب نہیں کھاتے لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (الانبیاء : ۹) (یعنی ان (انبیاء)

کو ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتا ہو یا ہمیشہ رہنے والا ہو۔ حدیث میں بھی آنحضرتؐ فرماتے ہیں وَلَا مُسْتَغْنِیْ عَنْہُ رَبَّنَا (بخاری کتاب الاطعمۃ باب مایقول اذا فرغ من طعامہٖ) اے ہمارے ربّ ہمارے لیے اس سے استغناء نہیں ہو سکتا۔ پس بشر بصورتِ زندگی تو محتاجِ طعام ہے پس مسیح کا احتیاج سے سوائے موت کے بَری ہونا کیونکر ممکن ہے؟

چوتھی دلیل :- وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (اٰل عمران : ۱۴۵)۔

ترجمہ :- آنحضرتؐ صرف ایک رسول ہیں آپ سے پہلے کے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس اگر یہ مرجائے یا قتل کیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔

استدلال :- اِس آیت میں آنحضرتؐ سے پہلے تمام رسولوں کی نسبت گذر جانے کی خبر دی ہے اور گزر جانے کے طریق صرف دو قرار دیتے ہیں، موت اور قتل۔ یعنی بعض بذریعہ موت طبعی گزرے اور بعض بذریعہ قتل۔ اگر کوئی تیسری صورت گزرنے کی ہوتی تو اس کا بھی آیت میں ذکر ہوتا۔ مثلاً آسمان پر زندہ اُٹھائے جانے کی صورت جو مسیح کے متعلق خیال کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید تفسیروں کے ان حوالجات سے بھی ہوتی ہے جو زیرِ عنوان "خَلَا کے معنے تفسیر میں" درج ہیں۔ دیکھو صفحہ ۱۹۳)

اس آیت میں صاف لکھا ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں یعنی فوت ہو چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰؑ بھی شامل ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ چونکہ آیت مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (المائدۃ : ۷۶) میں سے بظاہر مسیحؑ باہر رہ جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کا بالتخصیص ذکر فرمانے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

غیر احمدی عُذرات کا جواب

مصنّفِ محمدیہ پاکٹ بک نے اس ضمن میں صفحہ ۵۷۶، ۵۷۷ پر جو ترجمہ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ اوّلؓ کا جنگ مقدس، شہادۃ القرآن اور فصل الخطاب کے حوالے سے دیا ہے کہ "کئی رسول" یا "بہت سے رسول"۔ یہ غیر احمدیوں کے چنداں مفید مطلب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس ترجمہ سے باقی رسولوں کی نفی نہیں ہوتی۔ البتہ اگر چند رسول یا بعض رسول ہوتا تو کوئی بات بھی تھی ورنہ جس قدر رسول آنحضرتؐ سے قبل گزر چکے تھے۔ اس میں کیا شک ہے کہ وہ "کئی" اور "بہت سے" تھے۔

غیر احمدیؐ :- قرآن مجید میں آتا ہے قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (الرعد : ۷) اس سے پہلے بہت سے عذاب گزر چکے ہیں۔ کیا یہاں خلا کے معنے موت ہیں؟ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۷۷)

جواب :- ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ خَلَا کا لفظ بصیغۂ ماضی جب انسانوں کے متعلق استعمال ہو تو ہمیشہ وفات یافتہ انسانوں ہی کے متعلق آتا ہے مگر کیا تمہاری پیش کردہ آیت میں مَثُلٰتُ (الرعد : ۷) (عذاب) ذی روح ہے؟

محمدیہ پاکٹ بک کی پیش کردہ دوسری آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ (الرعد: ۳۱) میں ہلاک شدہ قومیں ہی مراد ہیں، جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے سورۃ رعد میں فرمایا:۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ فِیْٓ اَفْوَاهِهِمْ (ابراھیم: ۱۰) یعنی کیا تمہیں ان قوموں کی خبر نہیں ملی جو تم سے پہلے تھیں یعنی قوم نوح، عاد، ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے جن کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا ان کے پاس رسول آئے تو انہوں نے ان کا انکار کیا۔

انہی اقوام کی تباہی اور ہلاکت کی تفصیل سورۃ ہود اور دوسری سورتوں میں متعدد مقامات پر قرآن مجید میں دی گئی ہے۔ پس تمہاری پیش کردہ سورۃ رعد والی آیت میں بھی خَلَتْ کے معنے ہلاک شدہ ہی کے ہیں نہ کچھ اور۔

خَلَا کے معنی ازروئے قرآن کریم

رَفْعٌ اِلَى السَّمَآءِ خَلَا کے اندر داخل نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کا خلا کسی کا نہیں ہوا۔ اگر کوئی کہے کہ چونکہ آنحضرتؐ نے آسمان پر نہ جانا تھا اس لئے وہ ذکر نہ کیا گیا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت نے تو قتل بھی نہ ہونا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا تھا کہ اَللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ: ۶۸) پھر قتل کا ذکر کیوں کیا۔ معلوم ہوا کہ رَفْعَ اِلَى السَّمَآءِ خلا میں شامل نہیں۔

دوم:۔ بہت جگہ یہ لفظ قرآن کریم میں موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، ملاحظہ ہو:۔

۱۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ — دو مرتبہ — (البقرۃ: ۱۳۵، ۱۴۲)
۲۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ — (المائدۃ: ۷۶)
۳۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ — (الرعد: ۳۱)
۴۔ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ — (حٰمٓ السجدۃ: ۲۶)
۵۔ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ — (الاحقاف: ۱۸)
۶۔ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ — (" : ۱۹)
۷۔ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ — (" : ۲۲)
۸۔ اَلَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ — (یونس: ۱۰۳)
۹۔ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ — (النور: ۳۵)
۱۰۔ اَلَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ — (الاحزاب: ۳۹)

خَلَا کے معنی از لغتِ عرب

سوم :- لُغت سے خَلَا کے معنی مَاتَ کے ثابت ہیں :-

خَلَا فُلَانٌ اِذَا مَاتَ (لسان العرب)۔ خَلَا الرَّجُلُ اَیْ مَاتَ (اقرب الموارد جلد ۱ صفحہ ۲۹۹)۔

خَلَا فُلَانٌ اَیْ مَاتَ (تاج العروس۔ شرح قاموس جلد ۱ صفحہ ۱۱۹) شعر کی مثال ؎

اِذَا سَیِّدٌ مِّنَّا خَلَا قَامَ سَیِّدٌ
قَؤُوْلٌ لِّمَا قَالَ الْکِرَامُ فَعُوْلٌ

{ دیوان الحماسہ صفحہ ۳۲ کلام اسموأل بن عادیا }

خَلَا کے معنی از تفاسیر

۱۔ تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۲۹۵۔ قَدْ خَلَتْ۔ مَضَتْ وَمَاتَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ فَسَيَمُوْتُ هُوَ اَيْضًا۔ (ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۳۹)

۲۔ تفسیر جامع البیان صفحہ ۶۱۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ فَيَخْلُوْا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ایضاً جزء ۱ صفحہ ۱۰۳)

۳۔ تفسیر بحر مواج جلد ۱ صفحہ ۴۱۳۔ معنی این است کہ بدرستی از وے پیغمبران گزشتہ اند و ہمہ از جہان رفتہ اند۔

۴۔ تفسیر سراج منیر جلد ۱ صفحہ ۲۵۱۔ فَسَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ یعنی پہلے رسول یا مر گئے یا قتل ہو گئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوں گے۔

۵۔ تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۳۴۳۔ وَمَعْنَى الْاٰيَةِ فَسَيَخْلُوْا مُحَمَّدٌ كَمَا خَلَتِ الرُّسُلُ مِنْ قَبْلِهِ۔

۶۔ حضرت امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- وَحَاصِلُ الْكَلَامِ اِنَّهٗ تَعَالٰى بَيَّنَ اَنَّ قَتْلَهٗ لَا يُوْجِبُ ضُعْفًا فِيْ دِيْنِهٖ بِدَلِيْلَيْنِ (الْاَوَّلُ) بِالْقِيَاسِ عَلٰى مَوْتِ سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَقَتْلِهِمْ (وَالثَّانِيْ) اِنَّ الْحَاجَةَ اِلَى الرَّسُوْلِ لِتَبْلِيْغِ الدِّيْنِ وَبَعْدَ ذٰلِكَ فَلَا حَاجَةَ اِلَيْهِ فَلَمْ يَلْزَمْ مِنْ قَتْلِهٖ فَسَادُ الدِّيْنِ (تفسیر کبیر رازی جلد ۳ صفحہ ۲۹ مطبوعہ مصر)

کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ آنحضرتؐ کے قتل ہو جانے سے آپ کے دین میں کوئی کمزوری واجب نہیں آتی۔ اول اس وجہ سے کہ تمام گزشتہ انبیاء کی موت اور قتل پر قیاس کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ نبی کی بعثت کی غرض تو تبلیغ دین ہوتی ہے پس جب وہ تبلیغ دین کا فریضہ ادا کر چکے تو پھر اس کو زندہ رکھنے کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔

۷۔ حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ "یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض رسولِ خدا ہیں۔ ان کے پہلے بھی رسول راہرو عالمِ آخرت ہوئے۔ کیا اگر حضرتؐ انتقال

m0194 (1422x2448x256 jpeg)

فرما گئے یا قتل کئے گئے تو تم پیچھے قدم ہٹ جاؤ گے۔ یعنی الٹی چال چلو گے۔

(کشف المحجوب مترجم اردو صفحہ ۳۴ تیسرا باب تصوف کے بیان میں)

۸۔ تفسیر مدارک برحاشیہ خازن جلد ۱ صفحہ ۳۴۱۔ خَلَتْ۔ مَضَتْ۔ فَسَيَخْلُوْا۔

۹۔ تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۲۵۔ فَسَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا۔ نبی کریمؐ کا خلا ویسے ہی ہوگا جیسے پہلوں کا ہو چکا ہے۔

۱۰۔ تفسیر قنوی علی البیضاوی صفحہ ۱۲۴ جلد ۳۔ فَسَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ۔۔۔ اِنَّهُمْ اعْتَقَدُوْا اِنَّهٗ رَسُوْلٌ كَسَائِرِ الرُّسُلِ فِيْ اِنَّهٗ يَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا رُدَّ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ لَيْسَ اِلَّا رَسُوْلًا كَسَائِرِ الرُّسُلِ فَسَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا۔ یعنی لوگوں نے اعتقاد کیا کہ آنحضرتؐ فوت نہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ باقی رسول جب فوت ہوگئے تو یہ کیوں نہ فوت ہوں گے۔

اس آیت سے وفاتِ مسیحؑ پر صحابہ کرامؓ کا اجماع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات صدمہ آفات نے صحابہؓ کی کمر ہمت کو توڑ دیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے کہنا شروع کیا کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ کہے گا اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ چنانچہ بخاری کتاب النبیؐ الی کسریٰ وقیصر باب مرض النبیؐ و وفاتہ میں مندرجہ ذیل حدیث ہے:۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اِجْلِسْ يَا عُمَرُ فَاَبٰى عُمَرُ اَنْ يَّجْلِسَ فَاَقْبَلَ النَّاسُ اِلَيْهِ وَتَرَكُوْا عُمَرَ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَمَّا بَعْدُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اِلٰى قَوْلِهِ الشّٰكِرِيْنَ۔ وَقَالَ وَاللّٰهِ لَكَاَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ حَتّٰى تَلَاهَا اَبُوْ بَكْرٍ فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ اِلَّا يَتْلُوْهَا۔ فَاَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ اَنَّ عُمَرَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا سَمِعْتُ اَبَا بَكْرٍ تَلَاهَا فَعَقِرْتُ حَتّٰى مَا تُقِلُّنِيْ رِجْلَايَ وَحَتّٰى اَهْوَيْتُ اِلَى الْاَرْضِ حِيْنَ سَمِعْتُهٗ تَلَاهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ۔

یہ خطبہ مسند امام ابوحنیفہؒ صفحہ ۱۸۹ اور حمام الاسلامیہ صفحہ ۵۳ پر بھی موجود ہے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ پڑھا جس میں بتایا کہ جس طرح اور رسول فوت ہو چکے ہیں آنحضرتؐ بھی فوت ہو گئے ہیں جس پر صحابہؓ میں سے کسی نے انکار نہ کیا اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں کھڑا نہ ہو سکتا تھا اور زمین پر گر گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرتؐ فی الواقعہ فوت ہی ہو چکے ہیں۔

اس سے یوں استدلال ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے استدلال کو اس طرح توڑا ہے کہ آپؐ ایک رسول ہیں اور آپؐ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کسی اور صحابی کے ذہن میں بھی یہ

بات ہوتی کہ حضرت عیسٰیؑ زندہ بجسدہ العنصری ہیں تو وہ آگے سے فوراً کہہ دیتا کہ ابھی عیسٰیؑ بھی تو رسول ہی تھے وہ پھر کیوں زندہ ہیں، لیکن کسی کا ایسا نہ کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کے وہم میں بھی حیاتِ عیسٰیؑ کا عقیدہ نہ تھا بلکہ وہ سب کو وفات یافتہ تسلیم کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سرِ تسلیم خم کیا اور بالکل چون وچرا نہ کی۔

اس اجماع سے ان روایات کی بھی حقیقت کھل جاتی ہے جو بعض صحابہ کرامؓ کی طرف حیاتِ عیسٰیؑ کے بارے میں منسوب کی جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی ایسی روایت ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو وہ اس سے پہلے کی ہے (۲) یا بعد کی۔ صورتِ اوّل میں وہ قابلِ استناد نہیں، کیونکہ اجماع سے وہ گر جائیگی اور صورتِ ثانی میں بہر حال قابلِ ردّ۔

اعتراض:۔ اگر اَلرُّسُل کا الف لام استغراقی مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے ہی تمام رسول فوت ہو جائیں کیونکہ مِنْ قَبْلِہٖ بوجہ مقدم ہونے کے الرُّسُل کی صفت نہیں بن سکتی ہاں خَلَتْ فعل کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے۔ لہٰذا لازم آیا کہ آنحضرتؐ سے پہلے ہی تمام رسول فوت ہوں۔ ورنہ آنحضرتؐ اور مرزا صاحبؑ دونوں کی نفی ہوئی۔

جواب:۔ مِنْ قَبْلِہٖ "الرُّسُلُ" کی صفت ہی ہے جس کے معنی ہیں کہ تمام وہ رسول فوت ہو گئے جو آنحضرتؐ سے پہلے تھے اور صفت کا موصوف سے پہلے آنا جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ اللّٰہِ (ابراھیم : ۲،۳)

عَزِیْزٌ اور حَمِیْدٌ اللہ کی صفات ہیں جو اس پر اس آیت میں مقدم مذکور ہیں چنانچہ لکھا ہے۔ وَيَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ الْعَزِيْزُ الْحَمِيْدُ صِفَتَيْنِ مُتَقَدِّمَيْنِ وَ يُعْرِبُ الْاِسْمُ الْجَلِيْلُ مَوْصُوْفًا مُتَاَخِّرًا (روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۲۰۶)۔ (نیا ایڈیشن جز ۱۳ صفحہ ۱۸۲)

۲- اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۙ اللّٰہَ رَبَّكُمْ (الصّٰفّٰت: ۱۲۶، ۱۲۷)

کیا تم بعل کو پکارتے (پوجتے) ہو اور اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ (یعنی سب سے اچھا بنانے والے خدا کو جو تمہارا ربّ ہے چھوڑتے ہو۔ اِس آیت میں اَحْسَنَ الخالقین صاف طور پر اللہ کی صفت ہے مگر موصوف یعنی اللہ بعد میں ہے، اور صفت اَحسن الخالقین اس پر مقدم مذکور ہے۔ اسی طرح مِنْ قبلہٖ بھی الرُّسل کی صفت ہے اور اس پر مقدم مذکور ہے۔ فلا اعتراض۔

پانچویں دلیل:۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (النحل: ۲۱، ۲۲)

ترجمہ۔ یہ مشرک جن لوگوں کو اللہ کے سوائے پکارتے ہیں وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ مُردہ ہیں زندہ نہیں اور نہیں جانتے کہ کب وہ اُٹھائے جائیں گے۔

استدلال:۔ حضرت عیسٰیؑ بھی ان ہستیوں میں سے ہیں جن کو معبود مانا جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدۃ: ۱۸) پس وہ بھی وفات یافتہ ہیں۔ ان کا کہیں استثناء نہیں۔

نوٹ:۔ بعض حیلہ ساز لوگ اس جگہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اَمْوَاتٌ۔ مَيِّتٌ کی جمع ہے یعنی مرنیوالے ہیں کسی وقت ضرور مریں گے۔

جواب:۔ یہ بالکل غلط ہے کہ اَمْوَاتٌ۔ مَيِّتٌ کی جمع ہے۔ اَمْوَاتٌ تو مَيْتٌ کی جمع ہے جس کے معنے ہیں "مرے ہوئے" اور مَيِّتٌ کی جمع مَيِّتُوْنَ ہے۔ دیکھو لغت کی کتاب المنجد زیر لفظ موت۔ اور آیت بھی اِسی کی مؤید ہے کیونکہ اس میں ہے اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ (النحل ۲۲) یعنی ایسے اموات جو زندہ نہیں ہیں۔ پس اموات کو میّت کی جمع قرار دینا زبان اور قرآن دونوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اگر ملائکہ اور جنوں کا اعتراض کرو تو یاد رہے کہ وہ عالمِ امر سے ہیں اور يُخْلَقُوْنَ (النحل: ۲۱) میں عالمِ خلق کا بیان ہے اس لئے ان کا یہاں ذکر نہیں۔ ہاں حضرت عیسٰیؑ کا ذکر ہے۔ ملائکہ اور جنوں کے نہ مرنے کا کیا ثبوت ہے؟ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (العنکبوت: ۵۸) کے گھیرے سے وہ کیونکر باہر رہ سکتے ہیں۔

چھٹی دلیل: آیت قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (الاعراف: ۲۶)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو فرمایا کہ تم اسی زمین میں ہی زندگی بسر کرو گے اور اسی میں مرو گے اور پھر اسی سے اُٹھائے جاؤ گے۔

استدلال:۔ یہ ایک عام قانونِ الٰہی ہر فردِ بشر پر حاوی ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ فِيْهَا تَحْيَوْنَ کے صریح خلاف حضرت عیسٰیؑ آسمان پر زندہ موجود ہوں۔ اس آیت میں تَحْيَوْنَ (فعل) پر فِيْهَا (ظرف) مقدم ہے۔ پس از روئے قواعدِ نحو اس میں حصر ہے جس سے استثناء ممکن نہیں۔

نوٹ:۔ اس آیت کی تائید میں یہ آیتیں بھی ہیں:۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا (المرسلات: ۲۶، ۲۷) کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟

۲۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (البقرۃ: ۳۷) اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اُٹھانا ایک مدت تک۔

ساتویں دلیل۔ آیت وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (مریم: ۳۲)

ترجمہ:۔ (حضرت عیسٰیؑ کہتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں نماز پڑھتا اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں۔

استدلال:۔ حضرت عیسٰیؑ کا زکوٰۃ دینا ان کی تمام زندگی بھر فرض قرار دیا گیا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے پاس زکوٰۃ دینے کے لائق روپیہ بھی ہو اور مستحقینِ زکوٰۃ بھی زندہ رہیں۔ پس آسمان میں اگر وہ زندہ فرض کئے جاویں تو وہاں روپیہ اور زکوٰۃ لینے والوں کا ایک گروہ بھی ان کے ہمراہ ہونا ضروری ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر کہو کہ حضرت عیسٰیؑ کے پاس وہاں مال نہیں اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض

نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے بعد ان کے پاس مال نہیں رہتا تھا تو مَا دُمْتُ حَيًّا (مریم ۳۲) کی بجائے مَا دُمْتُ عَلَى الْاَرْضِ کہنا چاہیئے تھا جس کا مطلب یہ ہوتا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں جب تک زمین پر رہوں، زکوٰۃ دیتا رہوں۔ پس حضرت عیسیٰؑ کو خدا تعالیٰ کا خاص طور پر زکوٰۃ دینے کا حکم بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صاحب نصاب تھے اور جب تک زندہ رہے صاحب نصاب رہے۔

دوسرا سوال اس آیت کے متعلق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر جو نماز پڑھتے ہیں تو کس طرف منہ کرکے؟ اگر کہو کہ عرش خداوندی کی طرف منہ کرکے پڑھتے ہیں تو اس پر سوال یہ ہے کہ ان کو وہ کیسے معلوم ہوئی اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ نے انکو بذریعہ وحی بتادی ہوگی تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ اسلامی نماز اس لئے نہیں پڑھتے کہ یہ آنحضرتؐ پر نازل ہوئی تھی بلکہ اس لئے کہ یہ خود ان پر نازل ہوئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ابھی تک موسوی شریعت منسوخ نہیں ہوئی۔ اگر کہو کہ آنحضرتؐ نے حضرت عیسیٰؑ کو معراج کی رات عند الملاقات بتادی ہوگی۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ معراج کی رات جب حضرت عیسیٰؑ آنحضرتؐ سے ملے ہیں اس وقت تک ابھی نماز فرض ہی نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد فرض ہوئی۔ اور نماز کے فرض ہونے کے بعد آنحضرتؐ کے ساتھ انکی ملاقات ثابت نہیں۔

پھر سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دار العمل میں ہیں یا دار الجزاء میں؟ اگر کہو دار العمل میں تو پھر ان پر نماز و زکوٰۃ وغیرہ تمام اعمال کا بجالانا فرض ہے۔ اور اگر کہو دار الجزاء میں، تو وہ دو قسم کا ہے (۱) دوزخ۔ (۲) جنت حضرت عیسیٰؑ اول الذکر میں تو جا نہیں سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ جنت میں ہیں اور جنت کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (الحجر: ۴۹) کہ جنتی جنت سے نکالے نہیں جائیں گے۔ پس حضرت عیسیٰؑ اب دُنیا میں واپس نہیں آسکتے۔

آٹھویں دلیل: آیت وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ٥

(سورۃ مریم ۳۴)

ترجمہ:۔ (حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں) کہ سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا۔

استدلال:۔ سلامتی کے یہ تینوں اوقات بعینہٖ اس سورت میں حضرت یحییٰؑ کے لئے بھی آئے ہیں۔ اور اگر بالفرض محال حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں، اور یہودِ نامسعود کے نرغے سے بچ کر آسمان پر جا بیٹھے ہیں تو اس سلامتی کا کہاں ذکر ہے؟ وہ تو زیادہ اظہارِ امتنان کا موقعہ تھا۔ ان مواقع مذکورہ میں تو سب نبی موردِ سلامتی بنتے ہیں، آپ کے شریک ہیں، لیکن دو اہم اور عظیم الشان واقعات کی حضرت مسیحؑ کے ساتھ خصوصیت ہے، یعنی آسمان پر جانا اور آسمان سے واپس آنا، یہ سلامتی کے ساتھ ذکر کرنے کے زیادہ قابل تھے خصوصاً جب کہ یہ مسیح کا کلام ان کے اختیار سے نہیں، بلکہ وحی الٰہی کے ماتحت ہے۔

نویں دلیل:۔ آیت وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحٰنَ

رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل: ۹۴)

کفار نے آنحضرتؐ سے جو نشانات طلب کئے ان میں سے ایک یہ بھی نشان انہوں نے طلب کیا، اور سب سے اس کو آخر میں رکھا، اور اپنے ایمانی فیصلہ کو اس پر ٹھہرایا کہ آپؐ آسمان پر جائیں اور وہاں سے کتاب لائیں جس کو ہم پڑھ کر ہم آپ پر ایمان لائیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ حکم دیا کہ کہو میرا رب پاک ہے۔ میں بندہ رسول ہوں۔ یعنی اللہ کی قدرت میں تو کسی قسم کا نقص نہیں، لیکن رسول کو آسمان پر لے جانا سُنت اللہ نہیں۔

جائے غور ہے کہ کفار کا یہ کہنا کہ تُو آسمان پر چڑھ جاوے اور کتاب لاوے تب ہم ایمان لائیں گے، تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو آسمان پر نہ اُٹھا لیا تا کہ سب کفار ایمان لے آویں، بلکہ یہ فرمایا کہ ایسا نہ ہوگا جس کی وجہ یہ ہے کہ تُو ایک بشر رسول ہے اور بشر رسول آسمان پر نہیں جایا کرتے۔ بھائیو! غور کرو جب حضرت عیسٰیؑ بھی بشر رسول ہیں تو وہ کیونکر آسمان پر جا سکتے ہیں ؎

غیرت کی جا ہے عیسٰیؑ زندہ ہو آسمان پر
مدفون ہو زمین میں شاہِ جہاںؐ ہمارا!

دسویں دلیل:۔ آیت وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۔ (الانبیاء: ۳۵) ترجمہ:۔ اور ہم نے تجھ سے پہلے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کسی انسان کو غیر طبعی زندگی نہیں دی کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تُو تو فوت ہو جائے اور وہ زندہ رہیں۔

استدلال:۔ مسلمانو! دیکھو اللہ تعالیٰ کس قدر غیرت سے فرماتا ہے کہ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ لیکن ایک تم ہو کہ عیسٰیؑ کو تو زندہ مانتے ہو مگر اُس سید المعصومینؐ کو فوت شدہ تسلیم کرتے ہو۔ استدلال صاف ہے، زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ تُو تو جو انفع للناس ہے دُنیا سے رحلت کر جائے اور اَور کوئی تجھ سے پہلے کا زندہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے۔

گیارہویں دلیل:۔ آیت وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (الصف: ۷)
حضرت عیسٰے علیہ السلام نے بشارت دی کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا اس کا نام احمدؐ ہوگا۔
تم کہتے ہو کہ آنحضرت صلعم احمد ہیں، تو ثابت ہوا کہ حضرت عیسٰیؑ فوت ہو چکے ہیں کیونکہ احمد نے بہرحال مِنْۢ بَعْدِي ہی آنا ہے۔ اگر آج بقول تمہارے وہی عیسٰی ابن مریمؑ واپس آجائیں تو آنحضرتؐ احمد ان سے پہلے ہو جائیں گے نہ کہ بعد۔ تو کیا اُس وقت قرآن میں سے مِنْۢ بَعْدِي کاٹ کر اس کی جگہ اور تبدیلی کر دو گے؟

پس ثابت ہوا کہ اب جبکہ احمدؐ آ چکا ہے تو حضرت عیسٰیؑ واپس نہیں آ سکتے۔

بارہویں دلیل:۔ آیت وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (یونس: ۲۹)

ترجمہ:۔ اور جس دن ہم انکو اکٹھا کریں گے اور پھر ہم ان سے جنہوں نے شرک کیا، کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ پھر ہم ان کے درمیان جُدائی ڈال دیں گے۔ اور ان کے معبود مشرکوں سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے۔ ہم تو یقیناً تمہاری عبادت سے غافل ہیں۔

(فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ (یونس:۳۰)

ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تمام معبودانِ باطلہ خدا کو گواہ رکھ کر کہیں گے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ یہ لوگ ہماری عبادت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی انہی معبودوں میں سے ہیں کہ جن کی خدا کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ ۱۸) سے ثابت ہے۔ اب اگر بقول غیر احمدیان حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں اور صلیبوں کو توڑیں تو وہ کس طرح قیامت کے دن خدا تعالیٰ کو گواہ رکھ کر یہ کہیں گے کہ مجھے معلوم نہیں کہ عیسائی میری عبادت کرتے اور مجھے خدا بناتے تھے؟

یا تو یہ کہو کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰؑ غلط بیانی کریں گے، یا یہ تسلیم کرو کہ اب دوبارہ دُنیا میں وہ تشریف نہیں لائیں گے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نعوذ باللہ غلط بیانی سے کام لیں پس دوسری بات ہی درست ہے کہ وہ واپس دُنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔ وھٰذا ھُوالمراد۔

دیگر آیات:۔ ان مندرجہ بالا آیات کے علاوہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے والی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

۱۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا (النحل:۷۱)

ترجمہ:۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو وفات دیتا ہے اور بعض تم میں رذیل ترین عمر (انتہائی بڑھاپے) کی طرف لوٹائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جاننے کے بعد نہ جاننے والا بن جاتا ہے۔

ہمارے دوست بتائیں کہ کیا حضرت عیسیٰؑ کے اس قانون سے مستثنیٰ ہونے کا کوئی ثبوت ان کے پاس ہے؟ ہرگز نہیں۔

۲۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا (الحج:۶) ترجمہ اوپر گذر چکا ہے۔

۳۔ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (یٰس:۶۹)

ترجمہ:۔ جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، ہم پھر اسکو خلقت میں الٹاتے ہیں یعنی وہ جوانی کے بعد بڑھاپے سے ہوتا ہوا نادان بن جاتا ہے، کیا حضرت عیسیٰؑ پر یہ قانون حاوی نہیں؟

۴۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً (الروم:۵۵)

ترجمہ:۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا، اور پھر کچھ عرصہ کے لیے قوت عطا فرمائی اور پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔

بقول مخالفینِ احمدیت بھی حضرت عیسیٰؑ نے آسمان پر جانے سے پیشتر قوت پائی تھی۔ اب اتنے عرصہ کے بعد ضرور ہے کہ آپ دوبارہ ضعف کا شکار ہو چکے ہوں اور دنیا میں آکر بجائے خدمتِ دین کرنے کے اپنی ہی خدمت کرائیں۔

۵۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّھُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ط (الفرقان: ۲۱)

ترجمہ:۔ ہم نے اے محمد صلعم! تجھ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔

صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قبل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب رسولوں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے منجملہ ان کے ایک حضرت عیسیٰؑ بھی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ بھی اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰ (البقرۃ: ۱۵۷)

وفاتِ مسیحؑ از احادیث

۱۔ لَوْکَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔

{ تفسیر ابن کثیر زیر آیت آل عمران: ۸۱، اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ حاشیہ جلد ا صفحہ ۵۶۶ والیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۲۔ شرح مواہب اللدنیہ جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ مصری پہلا ایڈیشن و فتح البیان حاشیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ و طبرانی کبیر }

ترجمہ:۔ اگر موسیٰؑ و عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

(نیز البحر المحیط جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ مصری استدلال بر وفات خضرؑ)۔

۲۔ لَوْکَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی فِیْ حَیَاتِھِمَا لَکَانَا مِنْ اَتْبَاعِہٖ (مدارج السالکین مصنفہ امام ابن قیم جلد ۲ صفحہ ۳۱۴ و بشاراتِ احمدیہ مصنفہ علی حائری شیعہ صفحہ ۲۳ و براہینِ محمدیہ برحاشیہ۔ بشاراتِ احمدیہ صفحہ ۴۲)

ترجمہ:۔ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو ضرور آنحضرتؐ کے اتباع میں ہوتے۔

۳۔ لَوْکَانَ عِیْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ (شرح فقہ اکبر مصری صفحہ ۱۰۱ طبع اوّل)

ترجمہ:۔ اگر عیسیٰؑ زندہ ہوتا تو اُسے میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

نوٹ:۔ غیر احمدی علماء نے اس حدیث میں یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (النساء: ۴۷) کے مطابق یہودیانہ خصلت کو پورا کرکے تحریف کر دی ہے۔ شرح فقہ اکبر کا جو نسخہ ہندوستان میں چھپا ہے اس میں انہوں نے بجائے عِیْسٰی کے مُوْسٰی کر دیا۔ اور اس تحریف کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ شرح فقہ اکبر مصری ایڈیشن میں کتابت کی غلطی سے "موسیٰ" کی بجائے "عیسیٰ" لکھا گیا تھا ہم نے ہندوستانی ایڈیشن میں درست کر دیا ہے، لیکن یہ عذر کسقدر غیر معقول ہے اس کا علم اس امر سے ہو سکتا ہے کہ شرح فقہ اکبر صفحہ ۹۹ و ۱۰۰ پر جہاں یہ

حدیث ہے موسیٰؑ کا ذکر ہی نہیں بلکہ بحث حضرت عیسیٰؑ اور امام مہدی کی آمد کی ہے۔ پھر موسیٰؑ کا نام اس موقعہ پر آنا قرین قیاس ہو ہی نہیں سکتا چنانچہ ہم مکمل حوالہ نقل کر دیتے ہیں۔

"یَجْتَمِعُ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ بِالْمَھْدِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَیُشِیْرُ الْمَھْدِیُّ بِعِیْسٰی بِالتَّقَدُّمِ فَیَمْتَنِعُ مُعَلِّلًا بِاَنَّ ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ اُقِیْمَتْ لَکَ فَاَنْتَ اَوْلٰی بِاَنْ تَکُوْنَ الْاِمَامَ فِیْ ھٰذَا الْمَقَامِ وَیَقْتَدِیْ بِہٖ لِیُظْھِرَ مُتَابَعَتَہٗ لِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا اَشَارَ اِلٰی ھٰذَا الْمَعْنٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِہٖ لَوْ کَانَ عِیْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ"

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:- "حضرت عیسیٰؑ مہدی کے ساتھ ملیں گے۔ نماز کی اقامت کہی جائیگی تب مہدی آگے کھڑا ہونے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کو اشارہ کریں گے، مگر حضرت عیسیٰؑ اس عذر پر انکار کریں گے یہ نماز آپ کی خاطر قائم کی گئی ہے پس اس وجہ سے آپ امامت کے زیادہ حقدار ہیں پس حضرت عیسیٰؑ امام مہدی کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھیں گے تاکہ حضرت عیسیٰؑ اس بات کو ظاہر کردیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں جیساکہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ اگر عیسیٰؑ زندہ ہوتا تو اس کو میری پیروی کے سوا کوئی چارا نہ ہوتا۔"

اب دیکھ لیں اس موقعہ پر حضرت عیسیٰؑ کے آنحضرتؐ کی متابعت کرنے کا ذکر ہے نہ کہ موسٰےؑ کی متابعت کا؟

پس مصری ایڈیشن میں جو عیسیٰؑ کا لفظ ہے وہ "کاتب کی غلطی" نہیں بلکہ ہندوستانی ایڈیشن میں "موسیٰ" کا لفظ لکھنا یقیناً تمہاری خیانت کا نتیجہ ہے۔ (خادمؔ)

۴- اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ بِسَنَدٍ رِجَالٍ ثِقَاتٍ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا ...... اِنَّ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَۃَ سَنَۃٍ رَوَاہُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ۔ (بحوالہ حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸ و مواہب اللدنیہ جلد ۱ صفحہ ۴۲ و جلالین زیر آیت یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ راوی ابن عمرؓ حاشیہ)۔

ترجمہ:- تحقیق عیسیٰ بن مریمؑ ایک سو بیس سال تک زندہ رہے۔ نیز دیکھو ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹۔

۵- اِنَّ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَۃً وَ اِنِّیْ لَا اُرَانِیْ اِلَّا ذَاھِبًا عَلٰی رَأْسِ سِتِّیْنَ۔ (کنز العمال نیا ایڈیشن جلد ۱۱ صفحہ ۴۷۹، جلد ۶ صفحہ ۱۲۰ راویہ فاطمۃ الزہراؓ)

ترجمہ:- فرمایا حضرت نبی کریمؐ نے کہ تحقیق عیسیٰ ابن مریم ۱۲۰ سال تک زندہ رہا تھا۔ اور میں غالباً ۶۰ سال کی عمر کے سر پر کوچ کروں گا۔

غیر احمدی:- "اس روایت کا ایک راوی ابن لہیعہ سخت ضعیف ہے۔" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۹۱)

جواب:- یہ حدیث ایک طریق سے نہیں بلکہ کم از کم تین طریقوں سے مروی ہے، یعنی حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ

اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے۔ اور یہی امر اس حدیث کے صحیح ہونے کا ثبوت ہے ابن لہیعہ تو ایک طریق کا راوی ہے مگر دوسرے طریقوں کے متعلق تمہارا کیا جواب ہے؟ خصوصاً اس کا کیا جواب جو لکھا ہے:۔

اَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ بِسَنَدٍ رِجَالُ ثِقَاتٍ (حجج الکرامہ ص۴۲۸) اس حدیث کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں۔

۲۔ باقی رہا ابن لہیعہ۔ سو اس کی نسبت اسی تہذیب التہذیب میں جس کا حوالہ تم نے دیا ہے لکھا ہے:۔

سَمِعْتُ الثَّوْرِيَّ يَقُوْلُ عِنْدَ ابْنِ لَهِيْعَةَ الْاُصُوْلُ وَعِنْدَنَا الْفُرُوْعُ۔ قَالَ يَعْقُوْبُ ابْنُ عُثْمَانَ سَمِعْتُ اَحْمَدَ ابْنَ صَالِحٍ وَكَانَ مِنْ خِيَارِ الْمُتَّقِيْنَ وَيُثْنِيْ عَلَيْهِ۔۔۔۔ وَقَالَ الْحَاكِمُ اِسْتَشْهَدَ بِهٖ مُسْلِمٌ فِيْ مَوْضِعَيْنِ۔۔۔۔۔ وَحَكَى السَّاجِيُّ عَنْ اَحْمَدَ ابْنِ صَالِحٍ كَانَ ابْنُ لَهِيْعَةَ مِنَ الثِّقَاتِ۔۔۔۔۔ قَالَ ابْنُ شَاهِيْنَ قَالَ اَحْمَدُ ابْنُ صَالِحٍ ابْنُ لَهِيْعَةَ لَثِقَةٌ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۳۷۸)

یعنی ثوری نے کہا کہ ابن لہیعہ کے پاس اصول ہیں اور ہمارے پاس فروع۔ اور بقول یعقوب بن عثمان ابن لہیعہ کی تعریف احمد بن صالح نے کی ہے، اور امام حاکم نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ سے امام مسلم نے بھی دو مواقع پر استشہاد کیا ہے اور ساجی اور ابن شاہین کہتے ہیں کہ احمد بن صالح نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ ثقہ راوی ہے۔

نیز لکھا ہے:۔ قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ عَنْ اَحْمَدَ وَمَا كَانَ مِثْلُ ابْنِ لَهِيْعَةَ بِمِصْرَ فِيْ كَثْرَةِ حَدِيْثِهٖ وَضَبْطِهٖ وَاِتْقَانِهٖ (تہذیب جلد ۵ ص۳۷۵)

کہ ابوداؤد نے احمد سے نقل کیا ہے کہ تمام مصر میں ابن لہیعہ کے برابر کوئی شخص بھی حدیث کی کثرت اور مضبوطی روایت اور تقویٰ کے لحاظ سے نہ تھا۔

باقی مصنفِ محمدیہ پاکٹ بک نے جو قول احمدؒ کا ابن لہیعہ کے غیر ثقہ ہونے کی تائید میں نقل کیا ہے اس کے آگے ہی لکھا ہے وَهُوَ يُقَوِّيْ بَعْضُهٗ بِبَعْضٍ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۳۷۵) کہ ابن لہیعہ کی ایک روایت کو دوسری روایت سے تقویت پہنچتی ہے۔

پس حدیث متنازعہ ایسی ہی ہے جو صرف ایک طریق سے مروی نہیں بلکہ تین مختلف طرق سے مروی ہے پس نہایت ثقہ اور مضبوط ہے وہو المراد۔

۶۔ مَا مِنْ مَنْفُوْسَةٍ فِي الْيَوْمِ يَاْتِيْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ حَيَّةٌ۔

(کنز العمال جلد ۷ ص۱۷۰ راوی جابر و مسلم کتاب نمبر ا)

ترجمہ:۔ آج کوئی جاندار ایسا نہیں کہ اس پر سو سال آوے اور وہ فوت نہ ہو بلکہ زندہ ہو یعنی سو سال کے اندر ہر جاندار انسان جانور وغیرہ مر جائیں گے۔ پس حضرت عیسیٰؑ بھی فوت ہو گئے۔

۷۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ رِيْحًا يَبْعَثُهَا عَلٰى رَاْسِ مِائَةِ سَنَةٍ تَقْبِضُ رُوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ۔ (مستدرک کتاب الفتن جلد ۴ ص۴۵۷)

ترجمہ:۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر سَو سال کے بعد ایک ایسی ہوا بھیجتا ہے جو ہر مومن کی رُوح قبض کر لیتی ہے۔ اِس حدیث کی سند صحیح ہے۔

پس حضرت مسیح بھی بوجہ مومن ہونے کے اس ہوا کی زد سے نہیں بچ سکتے۔ یاد رہے کہ اس حدیث میں زمین یا آسمان کی کوئی قید نہیں ہے۔

۸۔ ابن مردویہ نے ابو سعید سے روایت کیا کہ:۔

اٰدَمُ فِی السَّمَآءِ الدُّنْیَا تُعْرَضُ عَلَیْهِ اَعْمَالُ ذُرِّیَّتِهٖ وَ یُوْسُفُ فِی السَّمَآءِ الثَّانِیَةِ وَ ابْنَا الْخَالَةِ یَحْیٰی وَ عِیْسٰی فِی السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ وَ اِدْرِیْسُ فِی السَّمَآءِ الرَّابِعَةِ وَ هَارُوْنُ فِی السَّمَآءِ الْخَامِسَةِ وَ مُوْسٰی فِی السَّمَآءِ السَّادِسَةِ وَ اِبْرَاهِیْمُ فِی السَّمَآءِ السَّابِعَةِ۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۲)

ترجمہ:۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آدم پہلے آسمان پر ہے، اس پر اس کی اولاد کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ اور یوسف دوسرے آسمان پر ہے اور پھوپھی زاد بھائی یحییٰ و عیسیٰ دونوں تیسرے آسمان پر ہیں اور حضرت ادریس چوتھے آسمان میں اور ہارون پانچویں میں اور موسیٰ چھٹے میں اور حضرت ابراہیم ساتویں آسمان پر ہیں۔

اگر حضرت عیسیٰؑ بجسدِ عنصری زندہ آسمان پر ہیں تو کیا باقی انبیاء کو بھی اسی جسم سے زندہ ماننے کے لیے تیار ہو؟ جب نہیں اور ہرگز نہیں تو اکیلے حضرت عیسیٰؑ کی کیا خصوصیت ہے کہ آپ سب سے نرالے زندہ ہیں؟

۹۔ اِختلافِ حُلیتین

آنحضرتؐ نے پہلے مسیح کا حُلیہ فَاَمَّا عِیْسٰی فَاَحْمَرُ جَعْدٌ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مصری مطبع الازہر مصر) ترجمہ:۔ سرخ رنگ، گھنگریالے بال۔

اور مسیح قاتلِ دجال کا حُلیہ:۔

فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ كَاَحْسَنِ مَا یُرٰی مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهٗ بَیْنَ مَنْكِبَیْهِ رَجِلُ الشَّعْرِ۔ (ایضاً)

ترجمہ:۔ یعنی ایسا آدمی جو گندم گون آدمیوں میں سے خوبصورت تر، اس کے بال اس کے کندھوں پر پڑتے ہیں اور وہ سیدھے بالوں والا ہے۔

ایک آدمی کے دو حُلیے نہیں ہو سکتے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ دو الگ الگ آدمی ہیں۔ مسیح ناصری اور مسیح موعود۔

پس پہلا مسیح فوت ہو چکا ہے اور آنے والا مسیح اسی اُمت میں سے ہے جیسا کہ "اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ" سے ثابت ہے۔

۱۰۔ (الف) اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی عِیْسٰی اَنْ یَا عِیْسٰی اَنْتَقِلْ مِنْ مَكَانٍ اِلٰی مَكَانٍ لِئَلَّا تُعْرَفَ فَتُؤْذٰی۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! تو ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جا۔ تا ایسا نہ ہو کہ تو پہچانا جائے اور تجھے تکلیف دی جائے۔

(ب) (عَنْ جَابِرٍؓ) كَانَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَسِيحُ فَإِذَا أَمْسَى يَأْكُلُ بَقْلَ الصَّحْرَاءِ وَيَشْرَبُ مَاءَ الْقَرَاحِ۔ (کنز العمال جلد ۲ صا‌۷۱)

ترجمہ:- حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ زمین کی سیاحت کیا کرتے تھے اور جنگل کی سبزیاں اور چشموں کا صاف پانی پیا کرتے تھے۔

وفاتِ مسیح پر اقوال ائمہ سلف سے استنباط

۱- امام بخاری (بخاری کتاب التفسیر سورۃ مائدۃ باب مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۔مصری ص۹۱) نے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي والی مفصل حدیث اور حضرت ابوبکرؓ کا خطبہ اور حضرت ابن عباسؓ کے معنے مُمِيتُكَ کو اپنی صحیح میں درج فرما کر اپنا عقیدہ دربارہ وفاتِ مسیح وضاحت سے بیان کر دیا۔

۲- امام مالکؒ کے متعلق صاف لکھا ہے۔ قَالَ مَالِكٌ مَاتَ (مجمع البحار الانوار جلد ۱ ص۲۸۶) یعنی حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں۔

نیز لکھا ہے۔ فِي الْعُتْبِيَّةِ قَالَ مَالِكٌ مَاتَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۔

(اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۱ ص۲۶۵)

۳- امام ابوحنیفہؒ کا امام مالکؒ پر انکار ثابت نہیں۔

۴- صاحبین حضرت امام ابو یوسف، و محمدؒ اور حضرت احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ نے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کر کے بتا دیا کہ ہم اس مسئلہ میں امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔

۵- جلالین معہ کمالین ص۱۰۹ مطبع مجتبائی کے حاشیہ بین السطور پر ہے وَتَمَسَّكَ ابْنُ حَزْمٍ بِظَاهِرِ الْآيَةِ وَقَالَ بِمَوْتِهِ امام ابن حزم نے آیت إِنِّي مُتَوَفِّيكَ والی آیت کو ظاہر پر محمول کر کے حضرت عیسیٰؑ کے فوت ہو جانے کے عقیدہ کو بیان کیا، اور وفات کے قائل ہوئے۔

۶- عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ اپنے رسالہ مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ ص۴۹ و ص۱۱۸ پر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ ۱۲۵ برس تک زندہ رہے۔ (وَقَدْ عَاشَ عِيسَى خَمْسًا وَعِشْرِينَ سَنَةً وَمِائَةً)۔

۷- نواب صدیق حسن خانصاحب نے ترجمان القرآن جلد ۲ ص۵۱۳ پر لکھا ہے کہ سب انبیاء جو نبی کریمؐ سے پہلے مر چکے ہیں اور مسیح کی عمر ۱۲۰ برس تھی (نیز عمر مسیح ۱۲۰ سال کے لیے دیکھو حج الکرامہ ص۴۲۸)

۸- حافظ لکھو کے والے لکھتے ہیں ؎

یعنی جو ہیں پیغمبر گزرے زندہ رہیا نہ کوئی

(تفسیر محمدی جلد ۱ صفحہ ۲۲۰)

۹- حضرت محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں:-
وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ- حضرت عیسیٰؑ آخری زمانے میں کسی دوسرے وجود میں نازل ہوں گے۔ (تفسیر عرائس البیان مطبع نولکشور جلد ا صفحہ ۲۶۲)

۱۰- بعض صوفیا۔کرام کا مذہب ہے کہ مسیح موعود کا بروز کے طور پر نزول ہوگا۔ (اقتباس الانوار صفحہ ۵۳) عبارت یہ ہے:-
"وبعضے برآنند کہ روح عیسیٰؑ در مہدی بروز کند ونزول عبارت ازیں بروز است۔"

۱۱- حضرت عائشہ صدیقہؓ نے گواہی دی کہ حضرت مسیح کی عمر ۱۲۰ برس تھی۔ (زرقانی جلد ا صفحہ ۴۲)

۱۲- تفسیر محمدی منزل اوّل صفحہ ۲۴۷ پر وفاتِ عیسیٰ بزبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت بحث نجران یوں رقمطراز ہے ؎

جو پیو دے نال مشابہ بیٹا ہوندا شک نہ کوئی
ہی زندہ رب ہمیش نہ مرسی، موت عیسیٰؑ نوں ہوئی

۱۳- قَدْ مَاتَ عِیْسٰی - عیسیٰؑ فوت ہوگیا ہے۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۰۶)

۱۴- امام جبائیؒ - اللہ نے مسیح کو وفات دی اور اپنی طرف بُلایا۔
(تفسیر مجمع البیان زیر آیت فلما توفیتنی المائدۃ: ۱۱۷)

۱۵- تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۳۹ پر مسیح کی قبر کے کتبہ کی عبارت نقل کی گئی ہے:-
هٰذَا قَبْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ۔

۱۶- حضرت علیؓ کی شہادت کی رات حضرت امام حسنؓ نے خطبہ پڑھا اور اس میں کہا۔ لَقَدْ قُبِضَ اللَّیْلَةَ عُرِجَ فِیْهِ بِرُوْحِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ لَیْلَةَ سَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ مِنْ رَمَضَانَ۔ (طبقات کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۱) کہ آپ (حضرت علیؓ) اس رات فوت ہوئے ہیں جس رات حضرت عیسیٰؑ کی رُوح آسمان پر اُٹھائی گئی تھی یعنی ۲۷ رمضان کو۔

اس حوالہ میں حضرت امام حسنؓ نے صاف طور پر فیصلہ فرما دیا کہ حضرت عیسیٰؑ کا جسم آسمان پر نہیں گیا۔ صرف روح اُٹھائی گئی۔

۱۷- حضرت داتا گنج بخشؒ تحریر فرماتے ہیں:-
"اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَیں نے معراج کی رات آدم صفی اللہؑ اور یوسف صدیق اور موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون اور عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو آسمان پر دیکھا۔ ضرور وہ ان کی روحیں ہونگی۔"
(کشف المحجوب مصنفہ حضرت داتا گنج بخشؒ چھٹی فصل مترجم اُردو صفحہ ۲۱۳ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ)

پس اگر حضرت عیسیٰؑ جسم سمیت آسمان پر زندہ ہوتے تو آنحضرتؐ ان کے جسم کو دیکھتے نہ کہ رُوح کو۔

۱۸- حضرت امام رازیؒ اپنی تفسیر میں حضرت ابو مسلم اصفہانیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

وَكُلُّ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَكُوْنُوْنَ عِنْدَ بَعْثِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زُمْرَةِ الْأَمْوَاتِ وَالْمَيِّتُ لَا يَكُوْنُ مُكَلَّفًا۔

(تفسیر جلد ۲ صفحہ ۳۳ مطبوعہ مصر آل عمران ع زیر آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ)

یعنی کُل انبیاءؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت فوت ہوکر زمرۂ اموات میں شامل ہو چکے تھے اور کسی حکم پر عمل کرنے کے لیے وہ مکلف نہ رہے تھے۔

۱۹۔ حضرت خواجہ محمد پارساؒ اپنی کتاب فصل الخطاب کے صفحہ ۴۷ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَوْ اَدْرَكَاهُ لَزِمَهُمَا الدُّخُوْلُ فِيْ شَرِيْعَتِهٖ۔ کہ اگر حضرت موسیٰؑ وحضرت عیسیٰؑ آنحضرتؐ کے زمانہ کو پاتے تو ان پر آپ کی شریعت میں داخل ہونا لازم تھا۔

حیاتِ مسیح کا عقیدہ مسلمانوں میں کیونکر آیا؟

فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹ پر لکھا ہے:۔ فَفِيْ زَادِ الْمَعَادِ لِلْحَافِظِ ابْنِ قَيِّمٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا يُذْكَرُ اَنَّ عِيْسٰى رُفِعَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِيْنَ سَنَةً لَا يُعْرَفُ بِهٖ اَثَرٌ مُتَّصِلٌ يَجِبُ الْمَصِيْرُ اِلَيْهِ قَالَ الشَّامِيُّ وَهُوَ كَمَا قَالَ فَاِنَّ ذٰلِكَ اِنَّمَا يُرْوٰى عَنِ النَّصَارٰى۔

ترجمہ:۔ حافظ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے کہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ۳۳ کی عمر میں اُٹھائے گئے اس کی تائید کسی حدیث سے نہیں ہوتی تا اس کا ماننا واجب ہو۔ شامی نے کہا ہے کہ جیسا کہ امام ابن قیم نے فرمایا ہے فی الواقعہ ایسا ہی ہے۔ اس عقیدہ کی بناء حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں بلکہ یہ نصاریٰ کی روایات ہیں اور ان سے ہی یہ عقیدہ آیا ہے۔

تردیدِ حیاتِ مسیح ناصری علیہ السلام

پہلی دلیل اور اسکی تردید

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔۔۔۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء: ۱۵۸، ۱۵۹) ترجمہ۔ نہ انہوں (یہود نامسعود) نے مسیح کو قتل کیا اور نہ صلیب پر مارا، بلکہ اللہ نے مسیح کو اُٹھا لیا۔

بَلْ ابطالیہ کا ابطال

استدلال علماء:۔ (۱) بَل اضرابیہ ابطالیہ ہے جو ابطال جملہ اُولیٰ و اثبات جملہ ثانیہ کی غرض سے آتا ہے جب نہ قتل ہوتے اور نہ مصلوب ہوئے تو یقیناً زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے۔

جواب:۔ آسمان پر جانے اور مقتول و مصلوب ہونے میں کوئی ضدیت نہیں۔ کیا جو نہ مقتول ہو، نہ مصلوب

وہ آسمان پر اُٹھایا جاتا ہے؟ کیا آنحضرتؐ و حضرت موسیٰؑ کو زندہ آسمان پر مانتے ہو؟ کیونکہ نہ وہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب۔

جوابِ ۲ :۔ آیت مذکورہ میں بَلْ کو ابطالیہ قرار دینا غلط ہے بوجوہاتِ ذیل۔ قرآن کریم میں ہے وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ (النمل ۲۶: ۶۷)

الف۔ اس آیت میں تین دفعہ بَلْ آیا ہے اور تینوں جگہ ابطالیہ نہیں بلکہ ترقی (اِنْتِقَالٌ مِنْ غَرْضٍ اِلٰى اٰخَرَ) کے لیے آیا ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ والی آیت میں بَلْ کا ماقبل اور مابعد کلامِ خدا ہے۔ پس بَلْ ابطالیہ نہیں ہو سکتا۔

ب۔ نحویوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں بَلْ ابطالیہ نہیں آسکتا۔ ہاں جب خدا تعالیٰ کفار کا قول نقل کرے تو بغرض تردید اس میں بَلْ ابطالیہ آسکتا ہے ورنہ اصالتاً خدا تعالےٰ کے کلام میں ابطالیہ وارد نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ مشہور نحوی ابن مالک کہتا ہے۔ اِنَّهَا لَا تَقَعُ فِي التَّنْزِيْلِ اِلَّا عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ (اَىْ لِاِنْتِقَالٍ مِنْ غَرْضٍ اِلٰى اٰخَرَ) (القصر المبنی جلد ۱ ص۵۸۲) کہ قرآن کریم میں بَلْ سوائے ترقی کے اور کسی صورت میں (یعنی بغرض ابطال) نہیں آتا۔

۲۔ قَالَ السَّيُوْطِيُّ بَعْدَ اَنْ نَقَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ اَيْضًا فَهٰذِهِ النُّقُوْلُ مُتَضَافِرَةٌ عَلٰى مَا قَالَ ابْنُ مَالِكٍ مِنْ عَدَمِ وُقُوْعِ الْاِضْرَابِ الْاِبْطَالِيِّ فِي الْقُرْاٰنِ (القصر المبنی جلد ۱ ص۵۸۳) کہ سیوطی نے بہت سے اقوال اور مثالیں نقل کر کے کہا ہے کہ یہ تمام مثالیں ابن مالک کے اس قول کی تائید کرتی ہیں کہ قرآن میں بَلْ ابطالیہ نہیں آتا۔

۳۔ فَاِنَّ الَّذِيْ قَرَّرَهُ النَّاسُ فِي اِضْرَابِ الْاِبْطَالِ اِنَّهُ الْوَاقِعُ بَعْدَ غَلَطٍ اَوْ نِسْيَانٍ اَوْ تَبَدُّلِ رَأْيٍ وَالْقُرْاٰنُ مُنَزَّهٌ عَنْ ذٰلِكَ (القصر المبنی جلد ۱ ص۵۸۲) کہ نحویوں نے لکھا ہے کہ بَلْ ابطالیہ یا تو غلطی یا نسیان کے بعد آتا ہے اور یا تبدیلِ رائے کے موقعہ پر۔ اور قرآنِ مجید میں یہ تینوں باتیں نہیں پائی جا سکتیں۔ اس لیے قرآن میں ابطالیہ نہیں آسکتا۔ فَجَوَابُ اِنَّهُ يُحْكٰى (برحاشیہ مغنی اللبیب) کہ ابن مالک کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حکایۃً عن الغیر بَلْ ابطالیہ آسکتا ہے ورنہ نہیں۔

استدلال ۲ :۔ قَتَلُوْهُ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ مع الجسم ہیں تو رَفَعَهُ میں بھی حضرت عیسےٰ مع الجسم اُٹھائے گئے ہیں۔

جواب ۱ :۔ اوّل تو رَفَعَ کے معنی یہ نہیں لیکن اگر ہوں بھی تب بھی یہ ضروری نہیں کہ رَفَعَهُ والی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ مع الجسم ہی ہوں۔ چنانچہ دیکھیے قرآن مجید میں ہے لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (البقرۃ: ۱۵۵) نہ کہو اُن لوگوں کو مُردہ جو خدا کی راہ میں شہید کئے گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے پاس۔ اب اَحْيَآءٌ کا مبتدا محذوف هُمْ ہے

اس کا مرجع مَنْ يُّقْتَلُ ہے مگر کوئی نہیں کہتا کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ حالانکہ لفظ مَنْ میں یہی جسم مراد ہے۔ پس کیا ضرور ہے کہ ہم رَفَعَ میں جسم بھی مراد لیں۔

پھر سورۃ عَبَس میں ہے قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ ..... ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ (عبس: ۱۸ تا ۲۲)

اَمَاتَهٗ اور فَاَقْبَرَهٗ کی ضمائر کا مرجع اَلْاِنْسَانُ ہے جو روح اور جسم سے مرکب ہے مگر کیا قبر میں روح اور جسم دونوں اکٹھے رکھے جاتے ہیں؟

موت تو نام ہی اِخْرَاجُ الرُّوْحِ مِنَ الْجَسَدِ کا ہے۔ اگر روح مع الجسم مدفون ہو تو پھر زندہ دفن ہوا، جو محال ہے پس یہاں اَقْبَرَهٗ کی ضمیر کا مرجع انسان بمعنی مجرد جسم ہوگا۔

ب۔ علم بدیع کی اصطلاح میں اسے صنعتِ استخدام کہتے ہیں۔ وَمِنْهُ الْاِسْتِخْدَامُ وَهُوَ اَنْ يُّرَادَ بِلَفْظٍ لَهٗ مَعْنَيَانِ اَحَدُهُمَا ثُمَّ بِضَمِيْرِهٖ الْاٰخَرُ اَوْ يُرَادُ بِاَحَدِ ضَمِيْرَيْهِ اَحَدُهُمَا ثُمَّ بِالْاٰخَرِ الْاٰخَرُ (تلخیص المفتاح ص۸۳) کہ ایک لفظ جو دو معنی ہو اس کی طرف دو ضمیریں پھیر کر اس سے دو الگ الگ مفہوم مراد لینا۔ مثالیں اوپر درج ہیں۔

پھر بھی اگر کوئی کہے کہ عیسٰیؑ تو جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کا نام ہے پھر تم اکیلی روح کا رفع کیوں مراد لیتے ہو؟

تو اوّل تو اسے کہنا چاہیئے کہ کسی کا نام مختلف حیثیتوں سے ہوتا ہے مثلاً کہیں زید سیاہ ہے تو صرف جسم مراد ہوگا۔ حالانکہ ہم نے لفظ زید بولا تھا جو جسم اور روح دونوں کا نام تھا مگر قرینہ حالیہ نے اس جگہ اس معنے کو روک دیا۔ یا کہیں زید نیک ہے تو صرف روح مراد ہوگی۔ اسی طرح رفع ہمیشہ روح کا ہوتا ہے۔ اس خاکی جسم کے متعلق تو ازل سے یہی قانون الٰہی ہے فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ (الاعراف: ۲۶)

لفظ رَفَعَ کی بحث

دوم:۔ ہم حضرت عیسٰیؑ کے رفع کے قائل ہیں مگر وہ رفع تھا روحانی جو کہ جسم سے اعلیٰ ہے جس طرح کہ روح جسم سے اعلیٰ ہے۔

جواب نمبر۳:۔ بندہ کے لیے جب لفظ رفع استعمال ہو تو ہر جگہ درجات کا رفع مراد ہوتا ہے خصوصاً جب رفع اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کیونکہ اس کی شان اعلیٰ ہے۔

قرآن مجید اور لفظ رَفَعَ

۱۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ (الانعام: ۴) کہ وہ خدا آسمان میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔

۲- اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرۃ : ۱۱۶) کہ جدھر تم منہ کرو اُدھر ہی اللہ ہے۔
۳- نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (قٓ : ۱۷) کہ ہم انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں" تو اس کی طرف رفع کے لیے آسمان پر جانا ضروری نہیں، بلکہ وہ رفع اسی زمین پر ہوتے ہوئے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سب مسلمان جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ بین السجدتین (دو سجدوں کے درمیان) جو دعا پڑھا کرتے تھے اس میں ایک لفظ وَارْفَعْنِيْ بھی ہے۔ یعنی اے اللہ میرا رفع کر۔
(کتاب ابن ماجہ)

سب مومن مانتے ہیں کہ آپؐ کا رفع ہوا مگر زمین پر ہی رہ کر۔ بھائیو! جب وہی لفظ رَفَعَ آنحضرتؐ کے لیے آتا ہے تو اس سے آسمان پر جانا مراد نہیں لیتے اور جب عیسیٰؑ کے لیے آوے تو وہاں مراد لیتے ہو۔ ایں چہ بوالعجبی است!

پھر طرفہ یہ کہ تمام قرآن و احادیث میں کہیں بھی اس لفظ رَفَعَ کے معنی آسمان پر جانا نہیں۔ چنانچہ دیکھئے فرمایا:-

۱- وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (الاعراف : ۱۷۷) اور اگر ہم چاہتے تو اس کا رفع کر لیتے لیکن وہ جھک گیا زمین کی طرف۔ اس جگہ بالاتفاق درجات کی ترقی مراد ہے۔ آسمان پر لے جانے کا ارادہ بتانا مدِّ نظر نہیں۔
۲- وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم : ۵۸) یعنی ہم نے ادریسؑ کا رفع بلند مکان پر کیا۔
۳- فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ (النور : ۳۷)
۴- فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ (عبس : ۱۴،۱۵)
۵- وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (الواقعہ : ۳۵)
۶- يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ---- دَرَجٰتٍ (المجادلۃ : ۱۲)

گویا جب بھی کسی مومن اور عالم کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ کہے کہ میں نے اس کا رفع کیا ہے تو اس سے مراد آسمان پر جانا نہیں ہوتا بلکہ درجات کا بلند ہونا ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے زیادہ ان کے زمانہ میں اور کون مومن اور عالم تھا؟ پس آپ کے رفع سے مراد بھی ترقی درجات ہے۔

احادیث اور لفظ رَفَعَ

۱- اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ (کنز العمال جلد ۲ ص ۲۵) کہ جب بندہ فروتنی کرتا ہے (خدا کے آگے گرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان پر رفع کر دیتا ہے۔

نوٹ:- یہ حدیث محاورۂ زبان کے لحاظ سے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے معنے سمجھنے کے لیے واضح نص ہے کیونکہ اس میں لفظ رفع بھی موجود ہے۔ رفع کرنے والا بھی اللہ ہے اور خاص بات جو اس میں موجود ہے وہ یہ کہ رفع کے بعد کا جملہ بھی الی ہی آیا ہے۔ جیسا کہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں ہے۔

اور زائد بات یہ کہ اس میں ساتویں آسمان کا لفظ بھی موجود ہے (اَلسَّمَآءِ السَّابِعَةِ) حالانکہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں آسمان کا لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ وہاں رفع اللہ کی طرف ہے اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ (الانعام: ۴) کہ اللہ تعالیٰ زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی۔ مگر مندرجہ بالا حدیث میں تو لفظ آسمان بھی موجود ہے مگر پھر بھی مولوی صاحبان اس کا ترجمہ رُوحانی رفع یعنی بلندی درجات ہی لیتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کے لیے جو لفظ رفع استعمال ہوا ہے اس میں بھی رفع کے معنی بلندی درجات ہی کے ہیں نہ کہ آسمان پر چڑھ جانے کے۔

۲۔ مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ" (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ مصر) یعنی کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ اللہ کے آگے گرا ہو اور پھر اللہ نے اس کا رفع نہ کیا ہو (یعنی جو اللہ کے آگے گرے اللہ اس کا رفع کرتا ہے)۔

۳۔ آنحضرتؐ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ رَفَعَكَ اللّٰهُ یَا عَمِّ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۶۹) اے میرے چچا اللہ آپ کا رفع کرے۔

۴۔ اَلتَّوَاضُعُ لَا یَزِیْدُ الْعَبْدَ اِلَّا رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوْا یَرْفَعْكُمُ اللّٰهُ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵) کہ خاکساری انسان کو رفعت میں بڑھاتی ہے پس تم انکساری کرو، اللہ تعالیٰ تمہارا رفع کریگا۔

۵۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵) کہ جو شخص اللہ کے آگے گر جاتے اللہ اس کا رفع کرتا ہے۔

۶۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ تَخَشُّعًا لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵ حدیث ۵۹۵ زیر حرف الھمزۃ فی الاخلاق من قسم الاقوال) کہ جو انکساری کرتے ہوئے اللہ کے آگے گرے تو اللہ اس کا رفع کرتا ہے۔

لغاتِ عرب اور لفظ رَفَعَ

۱۔ صحاح جوہری جلد ۱ صفحہ ۵۹۴۔ اَلرَّفْعُ تَقْرِیْبُكَ الشَّیْءَ۔ رفع سے مراد کسی چیز کو قریب کرنا ہے۔ گویا رفع کے معنے قرب کے ہیں۔

۲۔ اقرب الموارد جلد ۱ صفحہ ۴۱۸۔ رَفَعَهُ اِلَی السُّلْطَانِ اَیْ قَرَّبَهُ۔ قریب کیا اس کو بادشاہ کے یعنی اس کا مقرب بنایا۔

۳۔ لسان العرب جلد ۹ صفحہ ۴۸۸۔ فِیْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَلرَّافِعُ۔ هُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَاءَهٗ بِالتَّقْرِیْبِ۔ وَالرَّفْعُ تَقْرِیْبُكَ الشَّیْءَ مِنَ الشَّیْءِ وَفِی التَّنْزِیْلِ وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُقَرَّبَةٍ لَهُمْ۔ وَیُقَالُ نِسَاءٌ مَّرْفُوْعَاتٌ اَیْ مُکَرَّمَاتٌ مِنْ قَوْلِكَ اِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ مَنْ یَّشَاءُ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ۔ قَالَ الزُّجَاجُ قَالَ الْحَسَنُ تَاْوِیْلُ اَنْ تُرْفَعَ اَنْ تُعَظَّمَ کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں رافع

کا لفظ ہے کیونکہ وہ بلند کرتا ہے مومن کو سعادت کے ساتھ اور اپنے دوستوں کو قُرب کیساتھ۔ اور رفع کسی چیز کو کسی چیز کے قریب کرنا اور قرآن کریم میں ہے یعنی ان کی عزت کی جاتے گی۔

۴۔ تاج العروس جلد ۵ صفحہ ۳۵۵۔ اَلرَّفْعُ ضِدُّ وَضْعٍ وَمِنْهُ حَدِیْثُ الدُّعَاءِ۔ اَللّٰهُمَّ ارْفَعْنِیْ کہ رفع وضع کی ضد ہے۔ جیسا کہ حدیث دُعا میں ہے کہ اے میرے ربّ میرا رفع کر۔

۵۔ منتہی الارب جلد ا صفحہ ۱۶۔ رَفَعْتُهٗ اِلَی السُّلْطَانِ رُفْعَانًا بِالضَّمِّ اَیْ قَرَّبْتُهٗ۔

۶۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ یَحْتَمِلُ رَفْعَهٗ اِلَی السَّمَآءِ وَرَفْعَهٗ مِنْ حَیْثُ التَّشْرِیْفِ۔

(مفردات راغب بر حاشیہ نہایہ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۸)

تفاسیر سے رَفَعَ کے معنے

آنحضرت صلعم کیلئے رَفَعَهٗ اِلَیْهِ کا استعمال

۱۔ یہ عجیب بات ہے کہ رَفَعَهٗ اِلَیْهِ کے الفاظ بعینہٖ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی استعمال ہوتے ہیں اور اس استعمال سے آیت متنازعہ فیہ کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر صافی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

حَتّٰی اِذَا دَعَی اللّٰهُ نَبِیَّهٗ وَرَفَعَهٗ اِلَیْهِ (تفسیر صافی جلد ۱ صفحہ ۲۰۴ زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) یعنی حتّٰی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس بُلایا اور آپ کا اپنی طرف رفع کیا (یعنی آپ کو وفات دی)۔

بعینہٖ اسی طرح آنحضرتؐ کے لئے رفعہٗ الیہ کا لفظ بمعنی وفات کتاب "وَمَا ثبت بالسنۃ" صفحہ ۳۹ پر بھی ہے۔ اِن ہر دو حوالوں میں لفظ رفع بھی ہے۔ اللہ فاعل مذکور ہے اور صلہ اِلٰی ہے مگر معنی موت کے ہیں۔

۲۔ تفسیر سر سیّد احمد خان جلد ۲ صفحہ ۴۸ "پہلی آیت میں اور چوتھی آیت میں لفظ رفع کا بھی آیا ہے جس سے عیسٰیؑ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ ان کے جسم کو اُٹھا لینے کا۔"

۳۔ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۱۔ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اَیْ وَرَافِعُ عَمَلِکَ اِلَیَّ وَهُوَ کَقَوْلِهٖ تَعَالٰی۔ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْمُرَادُ مِنْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ اَنَّهٗ تَعَالٰی بَشَّرَهٗ بِقَبُوْلِ طَاعَتِهٖ وَاَعْمَالِهٖ ۔۔۔ الخ۔ رَافِعُکَ اِلَیَّ کے معنے ہیں کہ میں تیرے اعمال کو اُٹھانے والا ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح اشارہ ہے اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو ان کی نیکیوں کے قبول کرنے کی بشارت دی۔

وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔ هُوَ الرِّفْعَةُ بِالدَّرَجَةِ وَالْمَنْقَبَةِ لَا بِالْمَکَانِ وَالْجِهَةِ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۱) یعنی اس آیت سے جو مسیح کا رفع ثابت ہوتا ہے یہ درجات کی ترقی اور عزت کا رفع مراد ہے، رفع مکانی (جیسا کہ غیر احمدی مانتے ہیں) اور جہت والا مراد نہیں۔

۴۔ تفسیر جامع البیان ص۲۹۳۔ رَافِعُكَ اِلَيَّ اَیْ مَحَلِّ كَرَامَتِیْ۔ یعنی اپنے عزت کے مقام کی طرف تیرا رفع کرنے والا ہوں۔ گویا جنت میں داخل کروں گا۔ بفرمودہ یَاۤ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔

۵۔ تفسیر روح البیان جلد ا ص۳۳۳۔ رَافِعُكَ اِلَيَّ اَیْ اِلٰی مَحَلِّ كَرَامَتِیْ وَمَقَرِّ مَلَآئِكَتِیْ وَجَعَلَ ذٰلِكَ رَفْعًا۔ اِلَیْهِ لِلتَّعْظِیْمِ وَمِثْلُهٗ قَوْلُهٗ (اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ)، وَاِنَّمَا ذَهَبَ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعِرَاقِ اِلَی الشَّامِ۔ یعنی اللہ تعالٰے کا اپنی طرف رفع فرمانا صرف تعظیم کے لیے ہے جیسا کہ اس قول میں ہے اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف عراق سے شام کی طرف گئے تھے۔

لفظ رَفَعَ کے متعلق چیلنج

مندرجہ بالا تحقیق سے ثابت ہے کہ قرآن مجید، احادیث، تفاسیر اور عرب کے محاورہ کے رو سے لفظ رَفَعَ جب بھی اللہ تعالٰے کی طرف سے کسی انسان کی نسبت بولا جائے، تو اس کے معنی ہمیشہ ہی بلندیٔ درجات اور قربِ رُوحانی کے ہوتے ہیں۔ ہم نے غیر احمدی علماء کو بارہا یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ کلامِ عرب سے ایک ہی مثال اس امر کی پیش کریں کہ لفظ رفع کا فاعل اللہ تعالیٰ مذکور ہو اور کوئی انسان اس کا مفعول ہو، اور رفع کے معنی جسم سمیت آسمان پر اُٹھا لینے کے ہوں، مگر آج تک اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکی اور نہ ہی آیندہ پیش کی جا سکے گی۔

غیر احمدی علماء کے مطالبہ کا جواب

ہمارے مندرجہ بالا چیلنج کا منہ چڑانے کے لئے مؤلف محمّدیہ پاکٹ بک نے بھی اپنی پاکٹ بک کے صفحہ ۵۱۶ پر یہ لکھ کر اپنی جہالت کا مظاہرہ کیا ہے۔

"جب رَفَعَ یَرْفَعُ رَفْعًا فَهُوَ رَافِعٌ میں سے کوئی بولا جائے جہاں اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور مفعول جوہر ہو (عرض نہ ہو) اور صلہ اِلٰی مذکور ہو اور مجرور اس کا ضمیر ہو، اسم ظاہر نہ ہو اور وہ ضمیر فاعل کی طرف راجع ہو، وہاں سوائے آسمان پر اُٹھانے کے دوسرے معنی ہوتے ہی نہیں۔"

جوابؔ:۔ تم نے یہ من گھڑت قاعدہ کہاں سے اخذ کیا ہے۔

کہو کہ جس طرح تم نے رفع کے متعلق اپنے چیلنج میں ایک قاعدہ خود ہی بنا لیا ہے، اسی طرح ہم نے بھی بنا لیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم لفظ رفع کے متعلق چیلنج مندرجہ بالا میں جو شرائط درج کی ہیں وہ ہمارے خود ساختہ یا خود تراشیدہ نہیں بلکہ لغتِ عرب میں درج ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے:۔

فِیْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَلرَّافِعُ هُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَاۤءَهٗ

بِالتَّقْرِیْبِ"

کہ رافع اللہ تعالیٰ کا نام ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ مومنوں کا رفع ان معنوں میں کرتا ہے کہ انکو سعادت بخشتا ہے اور اپنے دوستوں کا رفع ان معنوں میں کرتا ہے کہ انکو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔

گویا اللہ کے رفع کا فاعل اور انسان (مومن اولیاء) کے مفعول ہونے کی صورت میں لفظ رفع کے معنی بلندی درجات وحصول قرب الٰہی ہے۔ پس ہمارے چیلنج کی شرائط تو مندرجہ بالا حوالہ لغت پر مبنی ہیں۔ مگر تم بتاؤ کہ تم نے جو قاعدہ درج کیا ہے اس کی سند محاورۂ عرب میں کہاں ہے ؟

جواب ۲ :- ۱۔ تمہارے من گھڑت قاعدہ کی تغلیط کے لئے مندرجہ ذیل دو مثالیں کافی ہیں :-

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ حَتّٰی اِذَا دَعَی اللّٰہُ نَبِیَّہٗ وَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ (تفسیر صافی ص۱۱۳ زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ) یعنی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلالیا، اور ان کا اپنی طرف رفع کر لیا۔

۲۔ حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ، حافظ عبدالبر کا مندرجہ ذیل قول آنحضرتؐ کی وفات کی نسبت نقل کرتے ہیں :-

کَانَ الْحِکْمَۃُ فِیْ بَعْثِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھِدَایَۃَ الْخَلْقِ وَتَتْمِیْمَ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَتَکْمِیْلَ مَبَانِی الدِّیْنِ فَحِیْنَ حَصَلَ ھٰذَا الْاَمْرُ وَتَمَّ الْمَقْصُوْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ (ما ثبت بالسُّنَّۃِ ص۹۲ مطبع محمدی لاہور ص۲۹)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں حکمت محض یہ تھی کہ مخلوق کو ہدایت ہو اور اخلاق اور دین کی تکمیل ہو پس جب یہ مقصود حاصل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی طرف رفع فرمالیا۔

ان ہر دو حوالجات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ جن میں اللہ فاعل ہے مفعول جوہر ہے عرض نہیں، صلہ بھی اِلیٰ مذکور ہے اور مجرور اسم ظاہر نہیں بلکہ ہٗ کی ضمیر ہے اور یہ ضمیر فاعل کی طرف راجع ہے مگر یہاں معنی آسمان پر مع جسم عنصری اُٹھائے جانے کے نہیں، بلکہ متفقہ طور پر فوت ہو جانے کے معنی ہیں۔

(لفظ رفع کی دوسری مثالیں پہلے گزر چکی ہیں)۔

قرآن کریم اور لفظ اِلیٰ

۱۔ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ (الصّٰفّٰت : ۱۰۰)

۲۔ اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ (العنکبوت : ۲۷)

۳۔ اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ (یونس : ۵ و الانعام : ۶۱)

۴۔ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ (الذّٰریٰت : ۵۱)

۵- اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (البقرۃ: ۱۵۶)
۶- اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (" : ۲۹)

اس استدلال پر چند اعتراضات

اس آیت سے اگر حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر جانا مراد ہو سکتا ہے تو ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر محدود ہے اور وہ بھی دوسرے آسمان پر حالانکہ محدودیتِ باری تعالیٰ محال ہے۔ پس عقیدہ حیاتِ مسیح بھی محال ہے۔

دوم:- کتبِ نحو میں اِلیٰ کے معنی لکھے ہیں کہ یہ انتہاء غایت کے لئے آتا ہے تو اب اگر آسمان پر جانے کے معنی درست ہوں تو ماننا پڑے گا کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہلو بہ پہلو بیٹھے ہیں اور درمیان میں کچھ بھی فاصلہ نہیں۔ ورنہ پورے طور پر اِلیٰ کے معنی متحقق نہیں ہو سکتے۔ پس ان معنوں پر ضد کرنا سراسر جہالت ہے۔

استدلال نمبر ۳

"کَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا" (النساء: ۱۵۹) خدا تعالیٰ نے خود اپنی طاقت اور قدرت کا ذکر کر کے بتادیا ہے کہ یہاں آسمان پر جانا ہی مراد ہے۔

جواب الف:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے موقعہ پر غارِ ثور میں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں سے بچایا تھا تو اس کا ذکر سورۃ التوبہ: ۴۰ میں کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کیا اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آسمان پر اُٹھائے گئے تھے؟ یا زمین پر ہی رکھ کر خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو محفوظ رکھا۔ اور اپنی قدرت کا ثبوت دیا۔

ب:- قدرت کسی چیز کو چھپانے میں نہیں بلکہ دشمن کے سامنے رکھ کر محفوظ رکھنے میں ہے۔ لہٰذا تمہارے اعتقاد کی رُو سے خدا تعالیٰ بُزدل ٹھہرتا ہے۔ کیا زمین پر حضرت عیسیٰؑ کو رکھنے میں یہودیوں کا خوف تھا؟ (نعوذ باللہ)

حیاتِ مسیح کی دوسری دلیل

وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا (الزخرف: ۶۲)
ترجمہ بقول غیر احمدیان:- حضرت عیسیٰؑ قیامت کی نشانی ہیں۔ پس تم اس میں مت شک کرو، بلکہ اس پر ایمان لاؤ۔

جواب ۱:- اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰؑ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا مرجع قرآن کریم یا آنحضرت ماننے چاہئیں۔ چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں زیر آیت ہذا لکھا ہے:-

قَالَ الْحَسَنُ وَجَمَاعَةٌ اِنَّهٗ یَعْنِیْ اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کہ حضرت امام حسنؒ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے۔

پھر تفسیر جامع البیان میں بھی اس آیت وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (الزخرف: ۶۲) کے نیچے لکھا ہے کہ وَ قِیْلَ الضَّمِیْرُ لِلْقُرْاٰنِ کہ بعض نے اس ضمیر کا مرجع قرآن کریم کو ٹھہرایا ہے۔

پھر تفسیر مجمع البیان میں اس آیت وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (الزخرف: ۶۲) کے ماتحت لکھا ہے۔ وَ قِیْلَ اِنَّ مَعْنَاهُ اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَدَلِیْلٌ لِّلسَّاعَةِ لِاَنَّهٗ اٰخِرُ الْکُتُبِ کہ بعض نے اس کے یہ معنی کئے

ہیں کہ قرآن کریم قیامت کی دلیل ہے کیونکہ وہ آخری کتاب ہے۔

اگر تمہاری بات ہی کو درست فرض کر لیا جائے تو اس صورت میں اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع "ابن مریم مثلاً" (یعنی مثیل مسیح) ماننا ہوگا۔

مَثَلٌ کے معنی لغت میں اَلشِّبْہُ وَ النَّظِیْرُ (المنجد) مانند اور نظیر کے ہیں یعنی مثیل۔

"وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ (الزخرف: ۵۸) کہ جب ابن مریم کا مثیل بھیجا جائے گا تو خود آنحضرت کی قوم کہلانے والے لوگ اس پر تالیاں بجائیں گے۔

نیز منتہی الارب فی لغات العرب میں بھی مَثَل کے معنے مانند اور ہمتا اور نظیر کے لکھے ہیں چنانچہ ہمارے بیان کردہ ان معنوں کی تائید شرح لشرح لعقائد المسمّٰی بالنبراس (جو اہل سنت کے عقائد کی معتبر کتاب ہے) کے حاشیہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے:۔

قَالَ مُقَاتِلُ ابْنُ سُلَيْمَانَ وَمَنْ تَابَعَهٗ مِنَ الْمُفَسِّرِيْنَ فِيْ تَفْسِيْرِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قَالَ هُوَ الْمَهْدِيُّ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَ بَعْدَ خُرُوْجِهٖ تَكُوْنُ اَمَارَاتُ السَّاعَةِ (شرح لشرح العقائد المسمّٰی بالنبراس صفحہ ۴۴۲ حاشیہ لحافظ محمد عبد العزیز الفرھاروی ۱۳۱۳ھ) کہ مقاتل بن سلیمان اور اس کے ہم خیال مفسرین نے لکھا ہے کہ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ سے مراد مہدی ہے جس کی آمد کے بعد قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔

نوٹ:۔ "تالیاں بجانے کی قرآنی پیشگوئی کو غیر احمدی قریباً ہر مناظرہ کے موقعہ پر پورا کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ (بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۴ مصری و تجرید بخاری مترجم حدیث صفحہ ۳۰۳) یعنی تالیاں بجانا صرف عورتوں کا کام ہے۔ (خادم)

غیر احمدی:۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۱۷ و دُرِّ منثور جلد ۶ صفحہ ۲۰ و فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۳۱۱ و ابن کثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۴ میں مروی ہے کہ اس آیت میں نزولِ مسیح قبل از قیامت مراد ہے۔ ایسا ہی ابن جریر جلد ۱۵ صفحہ ۴۳ میں ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳۴)

جواب:۔ دُرِّ منثور اور فتح البیان میں تو تمہاری پیش کردہ روایت کی سند درج نہیں ہے۔ البتہ ابن کثیر اور ابن جریر میں جس قدر سندات سے یہ تفسیر مروی ہے، وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ابن کثیر میں یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں کا راوی عاصم بن ابی النجود ہے جو ضعیف ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے:۔

ثَبَتَ فِي الْقِرَاءَةِ وَهُوَ فِي الْحَدِيْثِ دُوْنَ الثَّبْتِ ..... قَالَ يَحْيَى الْقَطَّانُ مَا وَجَدْتُ رَجُلًا اِسْمُهٗ عَاصِمٌ اِلَّا وَجَدْتُهٗ رَدِيَّ الْحِفْظِ وَقَالَ النَّسَائِيُّ لَيْسَ بِحَافِظٍ وَقَالَ الدَّارُ قُطْنِيُّ فِيْ حِفْظِ عَاصِمٍ شَيْءٌ .... وَقَالَ ابْنُ خِرَاشٍ فِيْ حَدِيْثِهٖ نُكْرَةٌ .... وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَيْسَ مَحَلُّهٗ اَنْ يُّقَالَ ثِقَةٌ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۵ مصنفہ علامہ ذہبی شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذہبی) کہ یہ راوی قرآن مجید اچھا پڑھتا تھا

لیکن حدیث میں مضبوط راوی نہ تھا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ عاصم نام کا میں نے کوئی راوی اچھے حافظہ والا نہیں دیکھا۔ امام نسائی نے بھی اس راوی کے متعلق کہا ہے کہ یہ اچھا راوی نہ تھا۔ ابن خراش نے کہا ہے کہ یہ منکر الحدیث تھا اور ابوحاتم نے کہا ہے کہ ثقہ نہ تھا۔

ابن جریر کے طریقوں میں سے پہلے تین میں تو یہی عاصم بن ابی النجود راوی ہے جو منکر الحدیث اور غیر ثقہ ہے۔ علاوہ ازیں پہلے طریقہ میں ابن عاصم کے علاوہ ایک راوی ابویحییٰ مصدع بھی ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ غیر ثقہ تھا۔ نیز لکھا ہے کہ:۔

قَدْ ذَکَرَهُ الْجَوْزَجَانِيُّ فِي الضُّعَفَاءِ۔۔۔۔ وَقَالَ ابْنُ حَبَّانٍ فِي الضُّعَفَاءِ كَانَ يُخَالِفُ الْأَثْبَاتَ فِي الرِّوَايَاتِ وَيَنْفَرِدُ بِالْمَنَاكِيْرِ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۹) کہ یہ راوی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔ ابن جریر کے دوسرے طریقہ میں عاصم کے علاوہ ایک راوی غالب بن فائد ہے۔ اس کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

قَالَ الْأَزْدِيُّ يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ وَقَالَ الْعُقَيْلِيُّ يُخَالَفُ فِي حَدِيْثِهِ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۸۹) کہ اس راوی کے ثقہ ہونے میں محدثین کو کلام ہے اور عقیلی نے کہا کہ اس کی حدیث کو قبول نہیں کیا جاتا۔

اس طرح حافظ ابن حجر نے لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۲۸۹ پر عُقَیلی کا قول اس راوی کی نسبت نقل کیا ہے کہ صَاحِبُ وَهْمٍ کہ یہ وہمی آدمی تھا۔

اسی طرح ابن جریر کی چوتھی روایت کا ایک راوی فُضَیل بن مرزوق الرقاشی ہے جو شیعہ تھا اس کے متعلق ابوحاتم کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس راوی کی روایت حجت نہیں اور قَالَ النَّسَائِيُّ ضَعِيْفٌ نیز ابن حبان نے اسے خطا کار اور ضعیف قرار دیا ہے۔ نیز ابن معین نے بھی اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔
(تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۲۹۹ و ۳۰۰)

پس یہ ہے تمہاری پیش کردہ "تفسیر ابن عباسؓ" کی حقیقت باقی رہی تمہاری شب معراج میں انبیاء کی چار کونسل والی ابن ماجہ کی روایت سو اس کی حقیقت حیات مسیح کی پندرہویں دلیل کے جواب میں دیکھو صفحہ ۳۷۹

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے اعجاز احمدی صفحہ ۲ اور حمامۃ البشریٰ پہلا ایڈیشن کے صفحہ ۹ پر اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع مسیح کو مانا ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳۵)

جواب ۱:۔ حضور نے بھی اسی صورت میں مانا ہے جس صورت میں ہم نے ایسا ہی مان کر جواب نمبر ۲، ۳ میں اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔ یعنی اس رنگ میں کہ اگر اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع مسیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی اس سے حیات مسیح ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں اس سے مراد مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کی یا ہلاکت بنی اسرائیل کی پیشگوئی لی جائے گی۔

جواب ۲:۔ علم کے معنی ہیں جاننا۔ یہ مصدر ہے اور مصدر کبھی کبھی مبالغہ کے لئے بھی آجاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں زَیْدٌ عَدْلٌ۔ زید بہت عادل ہے۔ اس طرح یہاں ہے کہ مسیح قیامت کا

اچھی طرح جاننے والا تھا، یعنی اس کو یقین تھا کہ قیامت ہوگی اور وہاں وہ اپنے دشمنوں کو پابہ زنجیر دیکھے گا۔ اس میں یہود پر بھی ایک حجت ہے۔ کیونکہ ان کا ایک گروہ منکرِ قیامت تھا، یا وہ یہود نامسعود کی ہلاکت کے وقت کو جانتا تھا۔

اگر "نشانی" بھی تسلیم کیا جائے تو ساعت سے مراد قیامتِ کبریٰ تو ہو نہیں سکتی ـــ جیسا کہ جواب نمبر ۱ میں گزر چکا ہے ہاں یہود کی ہلاکت کی گھڑی مراد ہو سکتی ہے اور مطلب یہ بن جائے گا کہ عیسیٰ بن مریم کا بے باپ پیدا ہونا یا مبعوث ہونا اس بات کا بدیہی نشان تھا کہ سب بنی اسرائیل گندے ہو چکے ہیں اور ان کی ہلاکت دروازے پر کھڑی ہے۔

جواب ۵:۔ ساعت سے مراد ہلاکت بنی اسرائیل کی گھڑی بھی ہو سکتی ہے۔

جواب ۶:۔ اگر فی الواقعہ یہ معنی درست ہوتے جو ہمارے دوست کرتے ہیں، تو اگلے حصہ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا (الزخرف: ۶۲) کا لانا لغو بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بات معقولیت سے بعید ہے کہ ابھی وہ نشانی آئی بھی نہیں مگر خدا تعالیٰ آنحضرتؐ کے منکروں کو فرماتا ہے کہ تم اس میں شک نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ جب ابھی نشانی نے ایک نامعلوم مدت کے بعد آنا ہے تو ان کو شک سے ابھی کس بنا پر روکا جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ اس جگہ مسیح قیامت کی نشانی ہونے کا تذکرہ نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن مجید کو قیامت کی نشانی ٹھہرایا گیا ہے ورنہ یہ حصہ بے معنی بنتا۔

جواب ۷:۔ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا۔ کے بعد ہے وَاتَّبِعُوْنِ کہ میری پیروی کرو۔ اگر قیامت کی نشانی مسیح تھے، تو اس کی مناسبت میں یہ فرمانا چاہیئے تھا کہ تم اس کی پیروی کرنا۔ یہ کہنے کے کیا معنی کہ میری اتباع کرو۔ اس میں یہ کہہ کر کہ میری پیروی کرو، صاف بتا دیا کہ کوئی مسیح ناصری نہ آئے گا بلکہ تم اے مسلمانو! خود مسیح بنو اور اس کا طریق یہ ہے کہ تم میری اتباع کرو۔

لطیفہ :۔ یہ متنازعہ فیہا آیت سورۃ زخرف کی ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مسیح چونکہ علم للساعۃ ہیں اس لئے وہ ضرور قیامت سے پیشتر تشریف لائیں گے لیکن اگر مسیح کو علم للساعۃ مان بھی لیا جاوے تب بھی آپ اُمتِ محمدیہ میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ اس سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے۔ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (الزخرف: ۸۶) کہ وہ علم الساعۃ جسے تم دوبارہ زمین پر اتار رہے ہو وہ اب اللہ کے پاس بیٹھا ہے وہ تو تمہارے پاس ہرگز نہ آئے گا ہاں تم ہی اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پس اس کی انتظار فضول ترک کر دو۔

حیاتِ مسیح کی تیسری دلیل

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (النساء: ۱۶۰) ترجمہ:۔ اور کوئی اہل کتاب (یہودی) نہیں مگر وہ حضرت عیسیٰؑ پر ضرور ایمان لائے گا اس کی موت سے پیشتر، یعنی حضرت عیسیٰؑ کے مرنے سے پہلے سب یہود ایمان لائیں گے۔ چونکہ فی زماننا وہ سب ایمان نہیں لا رہے اس لیے ماننا پڑے گا کہ آپ اسی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں تشریف لا کر کفار سے منوائیں گے۔

جواب :۔ غیر احمدیوں کا مندرجہ بالا استدلال بہ ایں وجوہ باطل ہے۔

وجہ اول :۔ یہ وہ ایمان ہے جس میں اہل کتاب کا ہر فرد شامل ہے کیونکہ لفظ اِنْ مِنْ حصر کیلئے آتے ہیں اور جو ایمان غیر احمدی مراد لیتے ہیں وہ ہزار ہا مرنے والے اہل کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ پس اگر یہ معنی ہیں تو اللہ تعالے ضرور ان سب اہل کتاب کو حضرت عیسٰیؑ کی آمد ثانی تک زندہ رکھتا تا وہ ایمان لے آویں اور خدا کا فرمودہ سچ ثابت ہو۔ لیکن جب ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

اس جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ سب یہودی ایمان لائیں گے جو اس وقت موجود ہوں گے۔ تو اول تو اس آیت میں اس کا ذکر نہیں۔ دوئم احادیث میں صاف لکھا ہے کہ اصفہان کے ۷۰ ہزار یہود دجّال کے ساتھ ہوں گے جو مارے جائیں گے اور کنز العمال کتاب القیامۃ من قسم الاوّل الفصل الثالث فِی اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ جلد ۷ ص۱۷۸ مصری۔ مطبوعہ حیدر آباد جلد ۷ ص۱۷۲ ۔ پر لکھا ہے کہ ۱۲ ہزار یہودی حضرت مسیح کا اتباع کرینگی۔ پس یہ معنی بھی غلط ہیں۔

وجہ دوئم :۔ یہ معنی اس لئے غلط ہیں کہ آگے پیچھے اس کے سب یہود کی بدیاں بھری ہوئی ہیں۔ اور جو ان میں سے نیک ہیں ان کی نیکیوں کا ذکر لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ (النسآء :۱۶۳) سے شروع ہوتا ہے۔ تو اب یہ طریق حکمت کے خلاف ہے کہ ایسی عظیم الشان نیکی کے بعد بھی ان کی بدیاں مذکور ہوں اور معاف نہ کی جائیں۔ پھر جس طرح یہ بات حکمت کے برخلاف ہے اسی طرح یہ قرآن کریم کے طرزِ بیان کے بھی برعکس ہے۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

وجہ سوم :۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے۔ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (النسآء :۸۳) کہ اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اتنی بڑی کتاب میں ضرور کوئی اختلاف (قوانین قدرت کے مضامین وغیرہ میں) ہوتا۔ ایسا نہ ہونے کو اللہ تعالٰے نے قرآن کریم کی صداقت پر دلیل بیان فرمایا ہے، لیکن اگر غیر احمدیوں کے معنی صحیح تسلیم کئے جائیں تو قرآن کریم میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے ماقبل فرمایا ہے "فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا" (النسآء :۴۷) کہ یہ تھوڑا مانیں گے بلکہ مانیں گے ہی نہیں، لیکن یہاں کہدیا کہ "سب ایمان لے آئیں گے" (بقول غیر احمدی صاحبان)۔

وجہ چہارم :۔ خدا تعالٰی حضرت عیسٰیؑ کو فرماتا ہے۔ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (اٰل عمران :۵۶) کہ میں تیرے متبعین کو یہود پر قیامت تک غلبہ دوں گا۔ اور پھر فرماتا ہے وَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (المائدۃ :۱۵) کہ ہم نے ان میں قیامت تک بغض اور عداوت ڈال دی ہے اور پھر المائدۃ :۶۵ میں ہے وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ.... اب ذرا سوچو کہ اگر سب اہل کتاب ایمان لے آئیں اور سب یہودی حضرت عیسٰیؑ کے متبع ہو جائیں تو پھر ان پر تا قیامت غلبہ کیونکر؟ اور ان میں بغض و عداوت کیسی؟ پس ماننا پڑے گا کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

وجہ پنجم :- مَوْتِہٖ میں ہٗ کی ضمیر کی بجائے دوسری قرآت میں هُمْ کا لفظ آیا ہے جو جمع ہے اور جس سے صرف اہل کتاب ہی مراد لیے جا سکتے ہیں هُمْ کے لیے دیکھیں عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ قَالَ هِيَ فِيْ قِرَاْءَةِ اُبَيٍّ قَبْلَ مَوْتِهِمْ - (ابن جریر جلد ۶ صـ۱۵) یعنی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ابی بن کعبؓ کی قرآت میں مَوْتِہٖ کی جگہ مَوْتِهِمْ آیا ہے -

قَبْلَ مَوْتِهِمْ کے راوی

غیر احمدی :- قَبْلَ مَوْتِهِمْ والی قرآت جو ابن عباسؓ سے مروی ہے کذب محض ہے اس میں دو راوی خصیف اور عتاب بن بشیر مجروح ہیں۔ (محمدیہ پاکٹ بک صـ۵۳ بار دوم)

جواب ۱:- ابن جریر نے ابن عباس سے پانچ روایات قَبْلَ مَوْتِهِمْ والی قرآت کی نقل کی ہیں جن میں سے چار راویات ایسی ہیں جن میں یہ دونوں راوی نہیں ہیں۔ پس دوسری راویات تو تمہارے نزدیک بھی قابل اعتراض نہ ٹھہریں۔ تو ابن عباس سے مَوْتِهِمْ والی قرآت تو ثابت ہو گئی۔ اعتراض کیا رہا؟

۲- باقی رہی پانچویں روایت جس کے راوی خصیف اور عتاب بن بشیر ہیں تو یہ روایت بھی درست ہے خصیف بن عبدالرحمٰن کے متعلق لکھا ہے :-

قَالَ ابْنُ مُعِيْنٍ لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ وَقَالَ مَرَّةً ثِقَةٌ ---- قَالَ ابْنُ سَعْدٍ كَانَ ثِقَةً ------ قَالَ السَّاجِيُّ صَدُوْقٌ (تہذیب التہذیب جلد ۳ صـ۱۴۳ و صـ۱۴۴) کہ خصیف ثقہ راوی تھا۔ جن لوگوں نے خصیف پر اعتراض کیا ہے ان کے نزدیک وہ روایت جو خصیف سے عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن روایت کرے وہ ناقابل اعتبار ہوتی ہے کیونکہ لکھا ہے وَالْبَلَاءُ مِنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَا مِنْ خَصِيْفٍ (ایضاً) یعنی نقص عبدالعزیز میں ہے نہ کہ خصیف میں۔ لیکن روایت متنازعہ میں عبدالعزیز راوی نہیں ہے۔

اس طرح اس روایت کا دوسرا راوی عتاب بن بشیر بھی قابل اعتبار اور ثقہ ہے، جیسا کہ لکھا ہے :-

قَالَ عُثْمَانُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ مَعِيْنٍ ثِقَةٌ ---- ذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ ------ قَالَ الْحَاكِمُ عَنِ الدَّارَقُطْنِيْ ثِقَةٌ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صـ۹۱) یعنی عتاب بن بشیر کو ابن معین اور ابن حبان اور دارقطنی نے ثقہ قرار دیا ہے -

غیر احمدی :- ابن جریر میں ابن عباسؓ کا قول قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى سعید بن جبیر کے طریق سے باسنادِ صحیح درج ہے۔ بحوالہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری (محمدیہ پاکٹ بک صـ۵۳۸) -

جواب :- ابن جریر میں سعید بن جبیر کے طریق سے صرف دو راویات درج ہیں۔ پہلی راویت محمد بن بشار نے ابن مہدی عبدالرحمٰن سے اور اس نے سفیان سے اور اس نے ابی حصین سے اور اس نے

سعید بن جبیر سے۔ سو یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ لکھا ہے :۔

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَیَّارٍ سَمِعْتُ عَمْرَو ابْنَ عَلِیٍّ یَحْلِفُ اَنَّ بُنْدَارًا یُکَذِّبُ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنْ یَحْیٰی۔۔۔۔ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عَلِیِّ ابْنِ الْمَدِیْنِیْ سَمِعْتُ اَبِیْ وَ سَئَلْتُہٗ عَنْ حَدِیْثٍ رَوَاہُ بُنْدَارٌ عَنِ ابْنِ مَھْدِیٍّ۔۔۔۔ فَقَالَ ھٰذَا کَذِبٌ ۔۔۔۔۔ فَرَأَیْتُ یَحْیٰی لَا یَعْبَأُ بِہٖ وَ یَسْتَضْعِفُہٗ قَالَ وَرَأَیْتُ الْقَوَارِیْرِیَّ لَا یَرْضَاہُ بِہٖ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۷۱) کہ عبداللہ بن محمد کہتے ہیں کہ عمرو بن علی نے حلف اٹھا کر کہا کہ محمد بن بشار بندار جھوٹ بولتا تھا، ان روایات میں جو اس نے یحییٰ سے روایت کی ہیں۔ اسی طرح سے علی بن المدینی سے محمدؐ بن بشار کی ایک روایت جو ابن مہدی سے لی ہے پوچھی گئی تو انہوں نے اس روایت کو کذب محض قرار دیا۔ اس طرح یحییٰ بن معین محمدؐ بن بشار کو اچھا نہیں سمجھتے تھے (اس کی پروا نہ کرتے تھے) بلکہ اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ اسی طرح قواریری بھی اسے پسند نہ کرتا تھا۔

یہ تو حال ہے پہلی روایت کا۔ (یاد رہے کہ یہ روایت بھی محمد بن بشار نے ابن مہدی سے روایت کی ہے)۔ دوسری روایت کا ایک راوی ابی بن العباس بن سہل الانصاری ہے جس کے متعلق لکھا ہے:

قَالَ اَبُوْ بِشْرِ الدُّوْلَابِیُّ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ قُلْتُ وَقَالَ ابْنُ مَعِیْنٍ ضَعِیْفٌ وَقَالَ اَحْمَدُ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ۔ وَ قَالَ النَّسَائِیُّ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ وَ قَالَ الْعُقَیْلِیُّ لَہٗ اَحَادِیْثُ لَا یُتَابَعُ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْھَا۔۔۔۔۔ قَالَ الْبُخَارِیُّ۔ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۸۶) کہ ابو بشر الدولابی نے کہا ہے کہ یہ راوی ثقہ نہیں۔ ابن معین نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک منکر الحدیث تھا اور نسائیؒ نے بھی غیر قوی قرار دیا ہے۔ عقیلی نے لکھا ہے کہ اس راوی کی حدیث قابل اتباع نہیں ہوتی۔ امام بخاری کے نزدیک بھی یہ راوی قوی نہیں ہے۔

ابن جریر میں قَبْلَ مَوْتِ عِیْسٰی والی روایت ابن عباسؓ سے صرف ایک ہی روایت ہے، اگرچہ وہ سعید بن جبیر کے طریق سے تو نہیں لیکن پھر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں بھی یہی ابی ابن العباس راوی ہے جو ضعیف ہے۔

پھر لکھا ہے وَ تَدُلُّ عَلَیْہِ قِرَاءَۃُ اُبَیٍّ اِلَّا لَیُؤْمِنُنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِھِمْ بِضَمِّ النُّوْنِ عَلٰی مَعْنٰی وَ اِنْ مِّنْھُمْ اَحَدٌ اِلَّا سَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِھِمْ (تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۲۹۶) یعنی ان معنوں پر حضرت ابی بن کعب کی یہ قرأت دلالت کرتی ہے اِلَّا لَیُؤْمِنُنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِھِمْ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوگا جو اپنی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے۔

حضرت ابی ابن کعب کی قرأت کی اہمیت بخاری کی اس حدیث سے ظاہر ہے سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ خُذُوا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَۃٍ مِّنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَبَدَأَ بِہٖ وَ سَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَۃَ وَ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ وَ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بن کعبؓ

جلد ۲ صفحہ ۱۹۴ مصری) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن شریف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سالمؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابی ابن کعبؓ سے سیکھو۔

اب متقی مومن کا فرض ہے کہ وہ دونوں قرأتوں کو مدِ نظر رکھ کر معنے کرے اور وہ یہی ہونگے کہ یہود کا ہر فرد اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے پر ایمان لائیگا اور لاتا ہے ورنہ وہ یہودیت کو ترک کر کے صداقتِ عیسیٰؑ کا قائل ہوجائیگا جو باطل ہے۔

وجہ ششم :۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى وَعَنْهُ اَيْضًا قَالَ قَبْلَ مَوْتِ الْيَهُوْدِيِّ ...... وَقِيْلَ الضَّمِيْرُ الْاَوَّلُ لِلّٰهِ وَقِيْلَ اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بِهٖ عِكْرَمَةُ۔ (فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۳) کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عیسیٰؑ کی موت سے پہلے اور انہی حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہودی کی موت سے پہلے ...... اور کہا گیا ہے کہ پہلی ضمیر اللہ کی طرف پھرتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی طرف پھرتی ہے اور حضرت عکرمہؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس آیت میں دو ضمیریں ہیں، ایک بِہٖ اور دوسری بِھِمْ۔ اِن دونوں ضمیروں کے مرجع کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ پہلی ضمیر کا مرجع عیسیٰؑ، اللہ، نبیؐ اور قرآن بتاتے ہیں اور دوسری ضمیر کا مرجع عیسیٰؑ اور کتابی بتاتے ہیں۔ پس یہ دلیل غیر احمدیوں کی تب صحیح ہوسکتی ہے کہ تعیین مرجع میں مسیح پر اتفاق ہوتا، لیکن ایسا نہیں۔ پس اس قرأت کے ہوتے ہوئے بھی غیر احمدیوں کے بیان کردہ معنی درست نہیں ہوسکتے۔

وجہ ہفتم :۔ اس کے بعد فرمایا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (النساء: ۱۶۰) کہ وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا، یعنی ان کے خلاف گواہی دے گا اور اگر اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ وہ سب مان جائیں گے تو گواہی کیسی اور اس گواہی کی کیا ضرورت؟ کیونکہ گواہی کی ضرورت تو ہمیشہ انکار کے بعد ہوتی ہے۔ قیامت کے ساتھ گواہی کو مخصوص کرنا بتاتا ہے کہ مسیح دُنیا میں نہیں آئیگا۔ ورنہ کہنا چاہیئے تھا کہ وہ دُنیا میں آکر گواہی دے گا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے نون ثقیلہ کے معنی حال کے بھی کئے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ (النساء: ۷۳) کا ترجمہ "کوئی تم میں سے سستی کرتا ہے"۔
(تفسیر ثنائی سورۃ نساء: ۷۳)

نوٹ :۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے مراد حضرت مسیحؑ کی وفات لیتے تھے، لیکن یہ صریحاً مغالطہ ہے۔ حضرت خلیفۂ اوّلؓ مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع "کتابی" ہی لیتے تھے اور جو ترجمہ غیر احمدی "فصل الخطاب جلد ۲ صفحہ ۸۰" کے حوالے سے پیش کرتے ہیں، اس میں "اُسکی موت سے پہلے" کے الفاظ ہیں۔ یہ تصریح موجود نہیں ہے کہ اس سے مراد کتابی ہے یا حضرت مسیحؑ۔ ورنہ حضرت خلیفۂ اوّلؓ کا مذہب وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان

کیا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ۔ الخ (النساء: ۱۶۰) کا ترجمہ یہ ہے اور نہیں کوئی اہل کتاب مگر ضرور ایمان لاوے گا ساتھ اس قتل کے قبل موت اپنی کے " (الحکم جلد ۵ نمبر ۳۳ - ۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱ حاشیہ)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا اجتہاد

بعض غیر احمدی علماء حضرت ابو ہریرہؓ کا اجتہاد بخاری کے حوالہ سے پیش کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے نزولِ مسیح کی حدیث کو وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ والی آیت کے ساتھ منطبق کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت سے نزولِ مسیح ہی مراد ہے نہ کچھ اور۔

جواب :۔ اس کا یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا اجتہاد ہے جو حجت نہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ راوی تو اعلیٰ درجہ کے ہیں مگر مجتہد نہیں۔ ملاحظہ ہو :۔

ا۔ وَالْقِسْمُ الثَّانِيْ مِنَ الرُّوَاةِ هُمُ الْمَعْرُوْفُوْنَ بِالْحِفْظِ وَالْعَدَالَةِ دُوْنَ الْاِجْتِهَادِ وَالْفَتْوٰى كَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ (اصول نظام الدین اسحاق بن ابراہیم الشاشی البحث الثانی۔ فصل فی اقسام الخبر والقسم الثانی من الرواۃ۔ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۷۳ و کتب خانہ رشیدیہ دہلی صفحہ ۷۵) کہ راویوں میں سے دوسری قسم کے راوی وہ ہیں جو حافظہ اور دیانتداری کے لحاظ سے تو مشہور ہیں مگر اجتہاد اور فتویٰ کے اعتبار سے قابل اعتبار نہیں، جیسے ابو ہریرہؓ و انس بن مالک۔

ب۔ مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر بنام تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں :۔ تَاْوِيْلُ الْاٰيَةِ بِاِرْجَاعِ الضَّمِيْرِ الثَّانِيْ اِلٰى عِيْسٰى مَمْنُوْعٌ اِنَّمَا هُوَ زَعْمٌ مِّنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَيْسَ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ فِي الْاَحَادِيْثِ (تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ زیر آیت وان من اهل الکتب) یعنی آیت زیر بحث میں ضمیر ثانی (یعنی موتہ کی ضمیر کو) حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھیر کر آیت کے معنی کرنا غلط ہے، جائز نہیں۔ یہ تو محض ابو ہریرہؓ کا اپنا زعم ہے جو احادیث کے بالمقابل وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ حدیث سے ایسا ثابت نہیں ہوتا۔

پس اہل اصول اور محدثین کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ ثقہ راوی ہیں اور انکی روایت درست مگر ان کا اپنا خیال اور قول ہرگز حجت نہیں خصوصاً جبکہ قرآن مجید کی ۳۰ آیات، متعدد احادیث اور رہبرانِ اُمت کے بیسیوں اقوال اس کے خلاف ہوں۔ چنانچہ اسی بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک اور اجتہاد درج ہے۔ آنحضرتؐ کی حدیث وَمَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِيْنَ يُوْلَدُ۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب ۴۴ و مسلم کتاب الفضائل باب ۱۴۶) (کہ ہر بچہ کو بوقتِ پیدائش شیطان مس کرتا ہے، بجز مریم اور ابن مریم کے، کہ وہ دونوں مسِ شیطان سے پاک ہیں) کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ آل عمران

جلد ۴ مطبع الدِّیہ مصر)، کہ آنحضرتؐ کی اس حدیث کے سمجھنے کے لئے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو کہ حضرت مریمؑ کی والدہ نے کہا کہ میں مریم اور اس کی ذرّیت کے لئے شیطان الرجیم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حالانکہ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ اجتہاد قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت مریمؑ کی والدہ کی مندرجہ بالا دعا حضرت مریمؑ کی ولادت کے بعد کی ہے اور حدیث میں جس مسِ شیطان کی نفی ہے وہ وقتِ ولادت کی ہے پس جس طرح ابوہریرہؓ کا اس آیت کے متعلق اجتہاد مندرجہ بخاری غلط ہے اس طرح ان کا وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ (النسآء: ۱۶۰) والی آیت کے متعلق اجتہاد مندرجہ بخاری بھی غلط ہے اور ناقابلِ استناد۔

اگر ان کا یہ قول اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ (النسآء: ۱۵۸) اس ضمیر کا مرجع ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ باوجود اس کے کہ خدا نے یہودیوں کے اس قول کی تردید پوری طرح کر دی ہے پھر بھی وہ اپنے اس قول پر ایمان رکھیں گے کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا، ورنہ ان کا مذہب ہی درہم برہم ہو جاتا ہے مثلاً دیکھ لو اگر ایک یہودی حضرت عیسیٰؑ کو غیر مصلوب تسلیم کرلے تو پھر وہ آپ پر ایمان لائیگا اور اسی طرح اگر ایک عیسائی مصلوبیت مسیح کو چھوڑ دے تو پھر ان کے مذہب کا بھی کچھ نہیں رہتا۔ اور کفارہ معہ دیگر اصولوں کے رخصت ہو جاتا ہے۔ پس یہی معنی ہیں۔ ان کے ایمان سے حقیقی اور قابلِ قبول ایمان مراد نہیں۔

حیاتِ مسیح کی چوتھی دلیل

مَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (المائدۃ: ۱۸) کہ خدا کو کون روک سکتا ہے اگر وہ عیسیٰ بن مریم کو مارنے کا ارادہ کرے۔ ثابت ہوا ابھی تک خدا تعالیٰ نے ان کو مارنے کا ارادہ نہیں کیا۔

جواب:- اس کے آگے وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (المائدۃ: ۱۸) بھی پڑھو کہ اگر خدا چاہے عیسیٰؑ اور ان کی والدہ اور موجوداتِ ارضی کو ہلاک کرنا۔ تو کیا حضرت مریمؑ بھی زندہ ہیں اور کیا دُنیا کی کوئی چیز ہلاک نہیں ہوتی؟ حالانکہ کوئی سیکنڈ اور سیکنڈ کا کوئی حصہ نہیں گزرتا جب دُنیا میں کوئی جاندار نہیں مرتا۔

اصل مطلب یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو مسیحؑ، مریمؑ اور موجوداتِ ارضی کو جمیعاً (یکدم) ہلاک کر دیتا مگر خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ دُنیا کو ہلاک کرتا ہے۔ "اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا" (الانبیاء: ۴۵)

حیاتِ مسیح کی پانچویں دلیل

يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (آل عمران: ۴۷) کہ عیسیٰؑ مہد اور چالیس سال کی عمر میں کلام کریں گے، انہوں نے مہد میں تو کلام کیا مگر ۳۳ سال کی عمر میں چونکہ آسمان پر اُٹھائے گئے اس لئے ابھی تک انہوں نے کہل کی عمر میں کلام نہیں کیا۔ لہٰذا آسمان سے واپس آکر وہ کہل میں بھی کلام کریں گے۔

جواب ا: كَهْل کے معنی لغت سے ۳۰ سے ۴۰ سال کی عمر کے (مجمع البحار جلد ۳ صفحہ ۲۳۶ زیر لفظ كَهْل) بقول تمہارے جب وہ ۳۳ سال کی عمر میں اُٹھائے گئے تو تین سال انہوں نے کہل میں بھی

کلام کرلیا۔ واپس لانے کی کیا ضرورت ہے۔

۲۔ ہم تو احادیثِ صحیحہ کی بناء پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ۱۲۰ سال تک زندہ رہے، لہٰذا ان کا کہل کی عمر میں بھی کلام کرنا ثابت ہوگیا۔

حیاتِ مسیح کی چھٹی دلیل وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران: ۴۹) الکتاب اور الحِکمَۃ سے قرآن میں ہر جگہ قرآن اور حدیث مراد ہے۔ ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ عیسیٰؑ کو قرآن و حدیث سکھائے گا۔ آمدِ ثانی ثابت۔

جواب:۔ یہ قاعدہ ہی غلط ہے، قرآن کریم میں ہے فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (النساء: ۵۵) لہٰذا یہ تمہارا خود ساختہ قاعدہ غلط ہے۔

حضرت امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ مِنَ الْكِتٰبِ تَعْلِيْمُ الْخَطِّ وَالْكِتَابَةِ ثُمَّ الْمُرَادُ مِنَ الْحِكْمَةِ تَعْلِيْمُ الْعُلُوْمِ وَتَهْذِيْبُ الْاَخْلَاقِ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۶۷) یعنی (تمہاری پیش کردہ آیت میں) کتاب سے مراد خط و کتابت (یعنی لکھنا پڑھنا) اور حکمت سے مراد علوم روحانی و اخلاقی ہیں۔

حیاتِ مسیح کی ساتویں دلیل اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ (المائدہ: ۱۱۱) یعنی اے عیسیٰ جب میں نے بنی اسرائیل کا ہاتھ تجھ سے روک لیا، اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں کے ہاتھ لگے ہی نہیں۔ اگر یہ مانا جائے کہ وہ صلیب پر لٹکائے گئے اور ان کے ہاتھوں سے خون بہا، اور پھر اس قدر مصیبتیں جھیلنے کے بعد صلیب پر سے زندہ اُتارے گئے تو اس سے اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔

جواب:۔ کَفَّ، عَنْ کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (المائدۃ: ۱۲) کہ اے مسلمانو! تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جبکہ قوم (کافرین) نے تمہاری طرف اپنے ہاتھ دراز کرنے کا ارادہ کیا تھا، پس خدا نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔

کیا جنگوں کے موقعہ پر کبھی کوئی مسلمان زخمی یا شہید نہیں ہوتا تھا، پس در حقیقت کفِّ ید سے مراد حقیقی فتح سے کافروں کو روکنا ہے، یعنی یہ کہ کافر مسلمانوں پر حقیقی فتح نہیں پا سکتے۔

حیاتِ مسیح کی آٹھویں دلیل وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (آل عمران: ۵۵) کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تم کو کافروں سے پاک کروں گا یعنی کامل طور پر یہودیوں کے ہاتھوں سے بچاؤں گا۔ اگر احمدیوں کا مذہب مانا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر لٹکائے گئے مگر زندہ اُتر آئے، تو اس سے اس وعدہ کی تکذیب ہوتی ہے۔

جواب:۔ تَطْهِيْر سے مراد اس آیت میں کافروں کے الزامات سے بری کرنا ہے نہ کہ انکے ہاتھوں

سے زخمی ہونے سے بچاتا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (الاحزاب: ۳۴) کہ اے اہل بیت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کرے اور تم کو اچھی طرح پاک کرے۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ ازواج نبوی کے علاوہ حضرت امام حسینؓ بھی اہل بیت میں سے ہیں۔ انکی بھی تطہیر ہوئی؟ کیا انکو یزیدیوں کے ہاتھ سے جسمانی طور پر کوئی گزند نہیں پہنچا۔ پس حضرت عیسیٰؑ کے لئے تطہیر کے اور معنے لینا خلاف اسلوب قرآن ہے۔

حیاتِ مسیح کی نویں دلیل

لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ (النساء: ۱۷۳) کہ مسیح خدا کی عبادت سے انکار نہیں کرے گا۔

جواب:۔ ہاں بیشک حضرت مسیحؑ نے خدا تعالیٰ کا عَبْد ہونے سے نہ کبھی پہلے انکار کیا اور نہ خدا کی عبادت کرنے اور کرانے سے قیامت کے دن منکر ہوں گے۔ چنانچہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (المائدۃ: ۱۱۷) کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت مسیح سے پوچھیگا کہ کیا آپ نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو معبود بنا کر ہماری عبادت کیا کرو؟ تو مسیح اس کے جواب میں کہیں گے۔ مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِہٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ (المائدۃ: ۱۱۸) کہ میں نے ان سے وہی کچھ کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا، یعنی یہ کہ تم بھی اسی اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ غرضیکہ لَنْ یَّسْتَنْکِفَ والی آیت میں جس عدم انکار از عبادت کا ذکر ہے وہ قیامت کے دن ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید نے دوسری جگہ خود اس کا ذکر بالتفصیل کر دیا ہے یعنی سورۃ مائدہ آخری رکوع میں جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔

لطیفہ

مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے حیاتِ مسیحؑ کی نویں دلیل یہ لکھی ہے "قرآن مجید میں جہاں کہیں کسی شخص کو مقرب فرمایا ہے۔ سب جگہ مذکور ساکنینِ آسمان ہیں چنانچہ سورۃ واقعہ میں جنتیوں کے حق میں لفظ مقرب وارد ہے اور قرآن وحدیث سے ظاہر ہے کہ جنت آسمان پر ہے، دوسرے موقعہ پر حضرت مسیح کے "وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ" آیا ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح آسمان پر ہیں۔"

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۴۰ بار دوم)

احمدی:۔ جنت زمین پر ہو یا آسمان پر لیکن ہم یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ فی الواقعہ "جنتیوں" میں سے ہیں۔ کیونکہ بقول تمہارے لفظ مقرب جہاں کہیں قرآن مجید میں آیا ہے وہاں اس سے مراد یا تو فرشتے ہیں یا جنتی۔ حضرت مسیح فرشتے تو نہیں لہٰذا جنتی ضرور ہیں۔ بہرحال انکی وفات ثابت ہے کیونکہ جنت کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ۔ (الحجر: ۴۹)

۲۔ باقی تمہارا یہ لکھنا کہ "قرآن مجید میں مقرب کا لفظ صرف ساکنین آسمان کے لئے آیا ہے"۔ تمہاری قرآن دانی کی دلیل ہے۔ سورہ اعراف اور سورہ شعراء میں فرعون کے جادوگروں کی نسبت لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (الاعراف: ۱۱۵ و الشعرآء: ۴۳) کا لفظ آیا ہے۔ تمہارے نزدیک کیا فرعون کا دربار "آسمان" پر منعقد ہوتا تھا۔

۳۔ ذرا یہ بھی بتا دینا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تمہارے نزدیک اپنی وفات تک اللہ تعالیٰ کے مُقرب تھے یا نہیں؟

۴۔ حضرت مسیحؑ کے لیے جہاں مقرب کا لفظ آیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (آل عمران: ۴۶) کہ وہ دُنیا میں بھی وجیہہ ہوگا اور آخرت میں بھی وجیہہ اور مقرب ہوگا۔ پس حضرت مسیحؑ کا مقرب ہونا اَلْاٰخِرَةِ کے بعد ہے نہ کہ پہلے۔ لہٰذا اگر تمہارا خود ساختہ قاعدہ مان بھی لیا جائے تب بھی حضرت مسیحؑ کی وفات ہی اس سے ثابت ہوتی ہے معلوم نہیں کس طرح تم نے اسے حیاتِ مسیحؑ کی دلیل ٹھیرا لیا ہے؟

غیر احمدی:۔ حضرت مسیحؑ کا صلیب پر لٹکایا جانا ان کے "وجیہہ" ہونے کے منافی ہے۔

جواب:۔ جی نہیں! صلیب پر اپنے دشمنوں کے ہاتھوں مارے جانا بے شک وجاہت کے خلاف تھا کیونکہ عہدنامہ قدیم میں صلیب پر مارے جانے والے کو لعنتی کہا گیا ہے نہ کہ صلیب پر لٹکائے جانے والے کو۔ پس مسیح کا محض صلیب پر لٹکنا اور زخمی ہونا ان کے وجیہہ ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ آنحضرتؐ کا دانت مبارک جنگِ اُحد میں شہید ہوگیا حضورؐ دشمنوں کے ہاتھوں زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئے، لیکن کیا تمہارے نزدیک حضورؐ وجیہہ نہ تھے؟

حیاتِ مسیحؑ کی دسویں دلیل

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ و جلد ۲ صفحہ ۲۳۶ مصری) کہ اے مسلمانو! تمہاری کیسی خوش قسمتی ہوگی کہ جب تم میں ابن مریمؑ نزول فرما ہوں گے۔

جواب:۔ اِس حدیث میں مِنَ السَّمَآءِ کا لفظ تو آیا نہیں۔ ہاں دو لفظ ہیں جن سے ہمارے دلائل والوں کو مغالطہ لگا ہے۔ ایک نَزَلَ اور ایک ابن مریم۔ نزول کے متعلق یاد رہے کہ اس کے لئے آسمان سے اُترنا ضروری نہیں۔ ملاحظہ ہو۔

لفظ نُزُول قرآن میں

۱۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ (الطلاق: ۱۱، ۱۲) کہ اللہ تعالے نے تمہاری طرف محمد رسول اللہؐ کو نازل فرمایا ہے جو تم پر اللہ کی نشانیاں پڑھتا ہے۔ کیا آپؐ آسمان سے آئے تھے؟

۲۔ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ (الزمر: ۷) اللہ نے تمہارے واسطے جانور نازل کئے۔

۳- اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ (الحديد: ۲۶) ہم نے لوہا نازل کیا۔

۴- وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر: ۲۲) اور کوئی چیز بھی نہیں مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں اور نہیں اُتارتے ہم اس کو مگر ایک مقررہ اندازہ پر۔

۵- قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا (الاعراف: ۲۷) ہم نے لباس نازل کیا۔

لفظ نُزُول اور احادیث

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ تَحْتَ شَجَرَةٍ (کنز العمال صـ۵۹ جلد ۷) آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے اُترے۔

۲- كَانَ اِذَا نَزَلَ مَنْزِلًا فِيْ سَفَرٍ لَمْ يَرْتَحِلْ حَتّٰى يُصَلِّيَ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ۔ (کنز العمال جلد ۳ صـ۱۹ کتاب شمائل من قسم الاقوال والافعال باب آداب السفر حدیث نمـ۴۴۳) آنحضرتؐ سفر میں مقام کرنے کے بعد دو رکعتیں پڑھ کے کوچ کرتے تھے۔

۳- لَمَّا نَزَلَ الْحَجَرَ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ صـ۹۶۵) جب آنحضرتؐ حجر کی زمین میں اُترے۔

اُمّتِ محمّدیہ کے لئے نُزُول کا لفظ

لَتَنْزِلَنَّ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ اَرْضًا يُقَالُ لَهَا الْبَصْرَةُ (کنز العمال جلد ۷ صـ۱۸۰ کتاب القیامۃ من مسلم الاقوال (الاکمال) حدیث نمـ۱۸۲۳) میری اُمّت کا ایک گروہ ایک ایسی زمین میں اُترے گا جس کا نام بصرہ ہوگا۔

دجّال کیلئے نُزُول کا لفظ

يَأْتِي الْمَسِيْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَهِمَّتُهُ الْمَدِيْنَةَ حَتّٰى يَنْزِلَ دُبُرَ اُحُدٍ (مشکوٰۃ کتاب الفتن باب علامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال۔ کنز العمال جلد ۶ صـ۲۵۰) فَيَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ (بخاری کتاب الفتن باب لا یدخل الدجال المدینہ جلد ۴ صـ۱۳۳ مصری۔ مشکوٰۃ کتاب الفتن باب علامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال)۔

ترجمہ:- کہ مسیح دجال مشرق کی طرف سے مدینہ کا قصد کرکے آئے گا۔ یہاں تک کہ اُحد کی پیٹھ کی طرف اُترے گا (۲) مدینہ کی ایک شور زمین میں اُترے گا۔

پس لفظ نزول سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے کہ ضرور حضرت مسیحؑ آسمان سے ہی آویں۔

بیہقی کا مِنَ السَّمَآءِ

نوٹ:- اس جگہ بعض جاہل امام بیہقی ۱۳۲۸ھ کی کتاب الاسماء والصفات صـ۳۰۱ سے یہ حدیث پیش کر دیا کرتے ہیں۔ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَآءِ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔

اوّل :- یاد رہے کہ امام موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ فِی الصَّحِیْحِ عَنْ یَحْیٰی بْنِ بُکَیْرٍ وَ اَخْرَجَہٗ مُسْلِمٌ وَ مِنْ وَجْہٍ اٰخَرَ عَنْ یُوْنُسَ وَ اِنَّمَا اَرَادَ نُزُوْلَہٗ مِنَ السَّمَاءِ بَعْدَ الرَّفْعِ اِلَیْہِ۔ ص۲۰۱ کہ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے ایک اور وجہ سے یونس سے لیا ہے اور اس نے ارادہ نزول مِنَ السَّماء کا ہی کیا ہے۔

امام کہتا ہے رواہ البخاری۔ بخاری میں راوی اور الفاظ سب موجود ہیں مگر من السماء نہیں ہے پس معلوم ہوا یہ حدیث کا حصہ نہیں۔

دوم :- اس روایت کا ایک راوی ابوبکر محمد بن اسحاق بن محمد الناقد ہے جس کے متعلق لکھا ہے، کَانَ یَدَّعِی الْحِفْظَ وَ فِیْہِ بَعْضُ التَّسَاھُلِ۔ (لسان المیزان حرف المیم۔ ابن حجر جلد ۵ ص۶۹) کہ اس راوی میں تساہل پایا جاتا ہے۔ پس من السماء کے الفاظ کا اضافہ بھی اس راوی کا تساہل ہے اصل حدیث کے الفاظ نہیں۔ اس طرح اس روایت کا ایک اور راوی احمد بن ابراہیم بھی ضعیف ہے۔ دیکھو لسان المیزان جلد ا۔ پس مِنَ السماء حجت نہیں۔

علاوہ ازیں اس روایت کا راوی یحیٰی بن عبداللہ ہے اس کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ ..... لَا یُحْتَجُّ بِہٖ ..... وَ قَالَ النَّسَائِیُّ ضَعِیْفٌ .... لَیْسَ بِثِقَۃٍ قَالَ یَحْیٰی ..... لَیْسَ بِشَیْءٍ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص۲۳۷/۲۳۸ و میزان الاعتدال جلد ۲ ص۵۸۵ مطبع انوار محمدی) اس طرح اس روایت کا ایک اور راوی یونس بن یزید بھی ضعیف ہے۔ یہ روایت یونس بن یزید نے ابن الشہاب الزہری سے روایت کی ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ" قَالَ اَبُوْ زُرْعَۃَ الدِّمَشْقِیُّ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ اَحْمَدَ ابْنَ حَنْبَلٍ یَقُوْلُ فِیْ حَدِیْثِ یُوْنُسَ عَنِ الزُّھْرِیِّ مُنْکَرَاتٌ ... قَالَ ابْنُ سَعْدٍ .... لَیْسَ بِحُجَّۃٍ ... کَانَ سَیِّءَ الْحِفْظِ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص۴۵۱-۴۵۲) کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ یونس کی اُن روایات میں جو زہری سے اس نے روایت کی ہیں منکرات ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یونس قابلِ حجت نہیں ہے اور وکیع کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ خراب تھا۔

اس کے متعلق میزانِ الاعتدال میں لکھا ہے کَانَ یُدَلِّسُ فِی النَّادِرِ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۴۴۳ مطبع انوار محمدی) کہ کبھی کبھی یہ تدلیس سے کام لیا کرتا تھا۔ پس اس روایت میں بھی من السماء کے الفاظ کی ایزاد بھی اس کے حافظہ کی غلطی یا تدلیس کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔

سوم :- بیہقی کا قلمی نسخہ پہلی مرتبہ ۱۳۲۸ھ میں چھپا ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ بلکہ وفات کے بعد۔ اس لئے مولویوں نے اس میں مِنَ السماء کا لفظ اپنے پاس سے ازراہِ تحریف اور الحاق زائد کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے بیہقی سے اس حدیث کو نقل کیا ہے مگر اس میں من السماء کا لفظ نہیں۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر دُرِّ منثور جلد ۲ ص۲۴۲ پر اس حدیث کو یوں بیان کرتے ہیں :-

وَ اَخْرَجَ اَحْمَدُ وَ الْبُخَارِیُّ وَ الْمُسْلِمُ وَ الْبَیْہَقِیُّ فِی الْاَسْمَاءِ وَ الصِّفَاتِ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

امام مذکور کا باوجود اس محولہ بالا روایت کو دیکھنے کے مِنَ السَّمَاءِ چھوڑ دینا بتاتا ہے کہ یہ حدیث کا حصہ نہیں، بعد کی ایزاد ہے۔ بہرحال حدیث نہیں۔ فَانْدَفَعَ الشَّکُّ مِنْہُ۔

حیاتِ مسیح کی گیارھویں دلیل

حدیث میں ہے اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ (جامع البیان ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۹۱) کہ یقیناً عیسیٰ نہیں مرے۔

جواب ۱:- ابن جریر بلحاظ حوالہ حدیث قابل استناد نہیں بوجہ ذیل:۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی تصنیف عجالہ نافعہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" اور طبقہ رابعہ وہ حدیثیں ہیں جن کا نام ونشان پہلے قرنوں میں معلوم نہیں تھا اور متاخرین نے روایت کی ہیں تو ان کا حال دو شقوں سے خالی نہیں۔ یا سلف نے تفحص کیا اور ان کی اصل نہ پائی کہ انکی روایت سے مشغول ہوتے یا انکی اصل پائی اور ان میں قدح وعلت دیکھی کہ روایت نہ کیا اور دونوں طرح یہ حدیثیں قابل اعتماد نہیں کہ کسی عقیدہ کے اثبات پر عمل کرنے کو ان سے سند لیں۔ اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کی راہزنی کی ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں بہت تصنیف ہوئی ہیں تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں:۔

کتاب الضعفاء لابن حبان۔ تصانیف الحاکم۔ کتاب الضعفاء للعقیلی، کتاب الکامل لابن عدی۔ تصانیف خطیب۔ تصانیف ابنِ شاہین اور تفسیر ابن جریر (عجالہ نافعہ صفحہ ۶)

مراسیل حسن بصریؒ

۲۔ یہ روایت مرفوع متصل نہیں بلکہ مرسل ہے اور حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے جو تابعی تھے صحابی نہ تھے۔ مراسیل حسن بصریؒ کے متعلق لکھا ہے:۔

" مَا اَرْسَلَ فَلَیْسَ بِحُجَّۃٍ (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۶) یعنی حسن بصری کی مُرسل روایت حجت نہیں ہوتی۔ لہٰذا لَمْ یَمُتْ والی روایت بھی حجت نہیں، حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:۔

لَیْسَ فِی الْمُرْسَلَاتِ اَضْعَفُ مِنَ الْمُرْسَلَاتِ الْحَسَنِ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۰۲ و صفحہ ۳۸۴ زیر لفظ عطاء بن ابی رباح)

غیر احمدی:- حضرت حسن بصریؒ کی مرسل میں تو وہی کلام کرے گا جس کو ان کے اقوال کا پورا علم نہ ہو۔ کیونکہ حسن بصریؒ نے جس قدر روایات صحابی کا نام لئے بغیر آنحضرتؐ سے کی ہیں وہ سب کی سب انہوں نے حضرت علیؓ سے لی ہیں، لیکن حجاج بن یوسف کے خوف سے انہوں نے حضرت علیؓ کا نام نہیں لیا۔

جواب ۱:- یہ تو حضرت حسن بصریؒ پر کسی انسان کے خوف سے حق نہ کہنے کا الزام ہے۔ ۲۔ یہ ثابت ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت علیؓ سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔ ملاحظہ ہو۔

سُئِلَ اَبُوْزُرْعَةَ هَلْ سَمِعَ الْحَسَنُ اَحَدًا مِنَ الْبَدْرِيِّيْنَ قَالَ رَآهُمْ رُؤْيَةً رَأَيَ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا قِيْلَ هَلْ سَمِعَ مِنْهُمَا حَدِيْثًا قَالَ لَا ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۶ و ص ۲۶۷)

یعنی ابوزرعہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضرت حسن بصری نے کسی بدری صحابیؓ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کو صرف ایک نظر دیکھا ہے۔ پوچھا گیا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث بھی سُنی تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس طرح لکھا ہے:۔

مَا حَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ بَدْرٍ مُشَافَهَةً .... قَالَ التِّرْمَذِيُّ لَا يُعْرَفُ لَهٗ سِمَاعٌ مِنْ عَلِيٍّ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۶، ص ۲۶۷) کہ حضرت حسن بصریؒ نے کسی بدری صحابی سے بھی کوئی حدیث نہیں سنی۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ حسن بصری کا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث سننا ثابت نہیں۔

۳۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں:۔ فَاِنَّ اَئِمَّةَ الْحَدِيْثِ لَمْ يُثْبِتُوْا لِلْحَسَنِ مِنْ عَلِيٍّ سِمَاعًا (کتاب فوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ ص ۹۳ مطبع محمدی لاہور) کہ ائمہ حدیث کے نزدیک حضرت علیؓ سے حضرت حسن بصریؒ کا کوئی حدیث سُننا ثابت نہیں (نیز دیکھو تکملہ مجمع البحار جلد ۳ ص ۵۱۸)

۴۔ اس روایت کے چار راوی ضعیف ہیں (۱) اسحاق بن ابراہیم بن سعید المدنی نے اس کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَيِّنُ الْحَدِيْثِ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۱۴ و میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۸۶) کہ ابوزرعہ نے کہا ہے کہ اس راوی کی حدیث قابل انکار ہے اور قوی راوی نہیں ہے۔ ابوحاتم نے کہا کہ اس کی روایت کمزور ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا راوی عبداللہ بن ابی جعفر عیسٰی بن ماہان ہے۔ اس کی نسبت لکھا ہے۔ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ ابْنُ سَلَّامٍ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ ابْنَ حُمَيْدٍ يَقُوْلُ عَبْدُ اللهِ ابْنُ اَبِيْ جَعْفَرٍ كَانَ فَاسِقًا ...... يُعْتَبَرُ حَدِيْثُهٗ مِنْ غَيْرِ رِوَايَتِهٖ عَنْ اَبِيْهِ وَقَالَ السَّاجِيُّ فِيْهِ ضُعْفٌ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۷۶ و میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۶) یعنی عبدالعزیز بن سلام کہتے ہیں کہ یہ راوی فاسق تھا اور جو روایت یہ اپنے باپ سے کرے وہ لائق اعتبار نہیں ہوتی اور ساجی نے کہا ہے کہ اس راوی کی روایت کمزور ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ لَمْ يَمُتْ والی روایت اس راوی نے اپنے باپ سے ہی روایت کی ہے لہٰذا یہ روایت تو بہرحال مردود ہے۔

(۳) تیسرا راوی اس دوسرے راوی عبداللہ کا باپ ابوجعفر عیسٰی بن ماہان ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ اَحْمَدَ عَنْ اَبِيْهِ لَيْسَ بِقَوِيٍّ فِي الْحَدِيْثِ ..... قَالَ عُمَرُ ابْنُ عَلِيٍّ فِيْهِ ضُعْفٌ ..... قَالَ النَّسَائِيُّ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۵۷ و میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۸۵) یعنی امام احمد کے نزدیک یہ راوی قوی نہیں، عمر بن علی کے نزدیک ضعیف ہے اور نسائی اور عجلی کے نزدیک بھی قوی نہیں۔ نیز اس راوی کو خطا کار اور سیّئ الحفظ بھی کہا گیا ہے۔

(۴) چوتھا راوی ربیع بن انس البکری المصری ہے، اس کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ

كَانَ يَتَشَيَّعُ فَيُفْرِطُ ..... اَلنَّاسُ يَتَّقُوْنَ مِنْ حَدِيْثِهٖ مَا كَانَ مِنْ رِوَايَةِ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَنْهُ لِاَنَّ فِيْ حَدِيْثِهٖ عَنْهُ اِضْطِرَابًا كَثِيْرًا (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۳۹) کہ یہ راوی غالی شیعہ تھا اور جو روایت اس سے ابوجعفر عیسٰی بن ماہان کرے اس روایت سے لوگ بچتے ہیں کیونکہ ایسی روایت سخت مخدوش ہوتی ہے ظاہر ہے کہ یہ لَمْ يَمُتْ والی روایت وہ ہے جو اس راوی سے ابوجعفر عیسٰی بن ماہان نے کی ہے لہٰذا قابلِ توجہ نہیں۔

پس اوّل تو یہ روایت مرسلاتِ حسن سے ہے اور اس وجہ سے حدیث مرفوع متصل نہیں۔ دوسرے اس کے پانچ میں سے چار راوی ضعیف اور غیر ثقہ ہیں اور بعض شیعہ بھی۔ پس سخت جھوٹی اور جعلی ہے۔

حیاتِ مسیح کی بارھویں دلیل

اِنَّ عِيْسٰى يَاْتِيْ عَلَيْهِ الْفَنَاءُ (جامع البیان ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ مصری ۱۹۵۴ء)۔

جواب:۔ اس روایت کے راوی بھی وہی ہیں جو اِنَّ عِيْسٰى لَمْ يَمُتْ (جامع البیان ابن جریر جلد ۲ صفحہ ۱۹) والی روایت کے ہیں یعنی اسحٰق بن ابراہیم بن سعید، عبداللہ بن ابی جعفر، ابوجعفر عیسٰی بن ماہان اور ربیع بن انس۔ جن پر جرح پچھلی روایت پر بحث کے ضمن میں درج ہو چکی ہے۔

حیاتِ مسیح کی تیرھویں دلیل

يُدْفَنُ مَعِيْ فِيْ قَبْرِيْ (۱۔ مشکوٰۃ کتاب الفتن باب نزولِ عیسٰی علیہ السلام بروایت ابن جوزی فی الکتاب الوفا۔ ا۔ مطبع مجیدی صفحہ ۴۸۰۔ ۲۔ مطبع احمدی صفحہ ۴۷۲) (۲۔ شرح لشرح العقائد المسمّٰی بالنبراس از حافظ محمد عبدالعزیز الفرحاوی ۱۳۱۳ھ صفحہ ۵۸۶)۔

جواب:۔ اس کے دس جواب ہیں:۔

(۱) فرض کرو کہ آج حضرت عیسٰیؑ آسمان سے نازل ہو کر مدینہ میں تشریف لیجا کر فوت ہو جائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو کونسا سعید الفطرت مسلمان اُکھاڑے گا؟ ہاں ممکن ہے کوئی احراری تیار ہو جائے۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہؓ کا خواب اس حدیث کے ظاہری معنی لینے سے روکتا ہے جو یہ ہے:۔

"اِنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ رَاَيْتُ ثَلَاثَةَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِيْ حُجْرَتِيْ فَقَصَصْتُ رُؤْيَايَ عَلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ۔ قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ دُفِنَ فِيْ بَيْتِهَا قَالَ لَهَا اَبُوْ بَكْرٍ هٰذَا اَحَدُ اَقْمَارِكِ وَهُوَ خَيْرُهَا۔

(موطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ مصری) کہ حضرت اُمّ المؤمنین عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند میرے حجرہ میں گرے ہیں۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے والد صاحب ابوبکر صدیقؓ سے بیان کیا پس جب آنحضرتؐ فوت ہوئے اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں مدفون ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ یہ تیرے تین چاندوں میں سے ایک ہے جو سب سے بہتر ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ فوت ہوئے اور اسی حجرہ میں مدفون ہوئے گویا حضرت عائشہؓ کے خواب کے مطابق تین چاند ان کے حجرہ میں گر چکے اب اگر حضرت عیسٰیؑ بھی اس میں مدفون ہوں تو حضرت عائشہؓ کا خواب

غلط ہوتا ہے۔

(۳) آنحضرتؐ نے فرمایا ہے اَنَا اَوَّلُ مَنْ تُنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ مصری) میری خصوصیت یہ ہے کہ میں پہلا انسان ہونگا جس کی قیامت کے دن قبر پھاڑی جائے گی۔ اب اگر حضرت عیسیٰؑ بھی حضورؐ کی قبر میں ساتھ ہی مدفون ہوں تو جس وقت آنحضرتؐ کی قبر پھاڑی جاویگی تو وہ بھی اس خصوصیت میں شامل ہو جائیں گے۔

(۴) ترمذی میں ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اٰتِیْ اَهْلَ الْبَقِيْعِ فَيُحْشَرُوْنَ۔ (ترمذی جلد ۲۔ ابواب المناقب مناقب عمرؓ) کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں پہلا انسان ہوں کہ جس کی زمین (قبر) پھاڑی جائے گی۔ پھر میرے بعد ابوبکرؓ اور ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ اور عمرؓ کے بعد جنت البقیع کے باقی مومن۔ پس سب اکٹھے کئے جائیں گے۔

اگر حضرت عیسیٰؑ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر میں یا بقولِ شما حضورؐ کے روضہ میں دفن ہونا ہوتا تو دوسرے تیسرے یا کم از کم چوتھے نمبر پر ہی ان کا نام آجاتا۔ آنحضرتؐ نے اپنے روضہ (حجرہ عائشہؓ) میں مدفون ہونے والے اپنے سمیت "تینوں چاندوں" کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے بعد جنت البقیع (قبرستان) میں مدفون صحابہؓ کا ذکر فرمایا ہے حضرت عیسیٰؑ کا نام نہیں لیا۔ پس یہ اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ آنحضرتؐ کی مدینہ والی قبر میں یا حضورؐ کے روضہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے دفن ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

(۴) ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ میں تیسرے دن کے بعد اپنی قبر میں نہ رہوں گا، تو جب آنحضرتؐ کی قبر میں حضرت عیسیٰؑ بقول تمہارے مدفون ہوں گے، اس وقت تو آنحضرتؐ وہاں موجود نہ ہوں گے تو پھر مَعِیَ کی شرط پوری نہ ہوئی۔

(۵) تم لوگ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ کی روایت پیش کیا کرتے ہو کہ مَا تُوُفِّیَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ کہ نبی جہاں مرتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے (اور اسی وجہ سے تم حضرت مرزا صاحبؑ پر اعتراض کیا کرتے ہو اور اس کا جواب دوسری جگہ دیا ہے) اور تم مانتے ہو کہ اسی بناء پر آنحضرتؐ چونکہ حجرۂ عائشہ میں فوت ہوئے اور اسی میں مدفون بھی ہوئے۔ تو اب اگر حضرت عیسیٰؑ واقعی آسمان سے آجائیں تو کیا وہ آنحضرتؐ کی قبر مبارک کے اندر جاکر فوت ہونگے۔

(۶) اسی حدیث میں ہے۔ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِيْسٰى ابْنُ مَرْيَمَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَيْنَ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹) کہ پھر میں اور عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر میں جو ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان ہوگی کھڑے ہونگے تو گویا اس کے مطابق حضرت عیسیٰؑ جس قبر میں مدفون ہونگے وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قبروں کے درمیان ہونی چاہیئے اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی قبروں کے درمیان کوئی جگہ موجود نہیں ہے۔

(۷) اگر کہو کہ قبر سے مراد مقبرہ ہے تو یہ کسی لغت کی کتاب سے دکھاؤ اور انعام لو (ب) اندریں صورت فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۹) قبر کا ترجمہ مقبرہ کروگے ؟ کیا حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے درمیان ایک مقبرہ ہوگا ؟

ج۔ مقبرہ تو کہتے ہی "موضع القبور" (المنجد لفظ مقبرہ) کو ہیں۔ پھر قبر کس طرح مقبرہ بن سکتی ہے۔

د۔ جب تم خود اس حدیث کے لفظی معنی نہیں کرتے بلکہ غلط تاویل کرتے ہو تو ہمارے لئے کیوں ناجائز ہے کہ ہم قرآن شریف و حدیث اور واقعات کی روشنی میں اس کے صحیح معنی بیان کریں ؟

(۸) قرآن مجید میں ہے۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَکْفَرَهٗ ۔ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ۔۔۔۔ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۔ (عبس ۱۸ تا ۲۲) گویا ہر انسان خواہ وہ ہندو ہو خواہ پارسی مرکر "قبر" میں ہی جاتا ہے پھر بتاؤ کہ وہ لوگ جن کی لاشیں جلا دی جاتی ہیں یا جن کو درندے کھا جاتے ہیں، یا جن کو مچھلیاں سمندر میں کھا جاتی ہیں، کیا وہ بھی اس آیت کے مطابق قبر میں جاتے ہیں یا نہیں ؟ اگر نہیں جاتے تو ثابت ہوا کہ (۱) وہ انسان نہیں (۲) ان (غیر مسلموں) کو عذاب قبر نہیں ہوگا۔ اور اگر کہو کہ قبر میں جاتے ہیں تو ثابت ہوا کہ قبر سے مراد ظاہری قبر کی مٹی نہ رہی بلکہ کوئی رُوحانی حالت "قبر" کے نام سے موسوم ہوئی۔ پس کیوں "قبر" کے وہی معنی یُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب نزول عیسٰی بروایت ابن جوزی فی الکتاب الوفا۔ مطبع مجیدی کانپور صفحہ ۴۸۰ و مطبع احمدی دہلی صفحہ ۴۷۴) والی حدیث میں نہ لئے جائیں۔ اس طرح حدیث میں بھی آتا ہے۔ اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ (ترمذی۔ ابواب صفۃ القیامۃ ۲۶ بروایت ابی سعید مطبوعہ نول کشور صفحہ ۱۸۲) کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(۹) اگر آج حضرت عیسیٰؑ آجائیں تو کیا تم اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک کہ وہ مر کر آنحضرتؐ کی قبر میں مدفون نہ ہو جائیں ؟

(۱۰) اگر اس حدیث میں عیسیٰ بن مریمؑ سے مسیح ناصری مراد لیتے ہو تو پھر اسی حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا یُدْفَنُ مَعِیَ کہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ ہی دفن کر دیئے گئے گویا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دُنیا میں اگر کسی انسان کو اللہ تعالیٰ اتنا لمبا زمانہ زندہ رکھتا تو یقیناً ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے۔ آپؐ سے زیادہ خدا کو اور کون پیارا ہے ؟ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (الانبیاء : ۳۵) کہ خدا تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ آنحضرتؐ تو فوت ہو جائیں اور آپ سے پہلے انبیاء اتنا عرصہ زندہ رہیں۔ پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ جب تم مجھ کو دفن کر رہے ہوگے تو اسی وقت یہ ثابت ہو جائیگا کہ پہلا کوئی نبی زندہ نہیں رہا۔ (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۔ المائدۃ : ۷۶) کم از کم اس وقت تو مانو گے کہ عیسیٰؑ بھی زندہ نہیں۔ گویا عیسیٰ میرے ساتھ ہی دفن ہو جائیں گے۔ (فَافْهَمُوْا اَیُّهَا الْعَاقِلُوْنَ)۔

۔۔۔

حیاتِ مسیح کی چودھویں دلیل

ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۳۶ ابواب المناقب باب ما جاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک روایت ہے جس میں عبداللہ بن سلامؓ نے اپنے دادا سے یہ روایت کیا ہے کہ قَالَ مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرٰىةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يُدْفَنُ مَعَهُ قَالَ فَقَالَ اَبُو مَوْدُوْدٍ وَقَدْ بَقِيَ فِي الْبَيْتِ مَوْضِعُ قَبْرٍ- هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ-

جواب ۱:- یہ آنحضرتؐ کا قول نہیں اس لئے حجت نہیں -

۲- خود ترمذی نے اسے "غریب" قرار دیا ہے -

۳- اس کا ایک راوی مسلم بن قتیبہ ہے - اس کے متعلق علامہ ذہبی فرماتے ہیں - قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ كَثِيْرُ الْوَهْمِ (میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۶۲) کہ یہ بڑا وہمی آدمی تھا - اس روایت کا دوسرا راوی عثمان بن الضحاک ہے اس کے متعلق لکھا ہے - قَالَ الْاٰجُرِيُّ سَاَلْتُ اَبَا دَاؤُدَ عَنِ الضَّحَاكِ بْنِ عُثْمَانَ الْحَرَامِيِّ فَقَالَ ثِقَةٌ وَابْنُهُ عُثْمَانُ ضَعِيْفٌ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۲۳) کہ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عثمان بن ضحاک خود ضعیف ہے لیکن اس کا باپ ثقہ تھا - نیز دیکھو میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ ضَعَّفَهُ اَبُوْ دَاؤُدَ کہ اسے ابوداؤد نے ضعیف قرار دیا ہے -

نوٹ:- اس راوی کا باپ بھی بعض محدثین کے نزدیک ثقہ نہ تھا چنانچہ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴۲۲ - فِي حَدِيْثِهِ ضُعْفٌ ---- قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ لَا يُحْتَجُّ وَقَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ - اسی طرح ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۴۶ جہاں لکھا ہے قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ كَانَ كَثِيْرُ الْخَطَاءِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ - اسی طرح اس روایت کا تیسرا راوی محمد بن یوسف بن عبداللہ بن سلام ہے - اس کے متعلق لکھا ہے ذَكَرَ لَهُ الْبُخَارِيُّ حَدِيْثًا وَقَالَ لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ وَلَا يَصِحُّ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۵۳۴) کہ اس راوی سے امام بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے اور امام بخاری نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ راوی قابل اتباع نہیں اور نہ ثقہ ہے -

پس چونکہ اس روایت کے تین راوی غیر معتبر ہیں لہٰذا حجت نہیں -

حیاتِ مسیح کی پندرھویں دلیل

ابن ماجہ موقوفاً اور مسند احمد میں مرفوعاً مروی ہے کہ معراج کی رات انبیاء کی چار کونسل میں جب قیامت کا ذکر ہوا تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا - فَذَكَرَ خُرُوْجَ الدَّجَّالِ قَالَ فَاَنْزِلُ فَاَقْتُلُهُ (ابن ماجہ باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ ابن مریم عن عبداللہ بن مسعود) (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳۳) -

جواب ۱:- یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے حدیث نبویؐ نہیں -

۲- اس روایت کا پہلا راوی محمد بن بشار بن عثمان البصری بندار ہے جس کے متعلق لکھا ہے قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مُحَمَّدِ ابْنِ سَيَّارٍ سَمِعْتُ عَمْرَو ابْنَ عَلِيٍّ يَحْلِفُ اِنَّ بُنْدَارًا يَكْذِبُ فِيْمَا يَرْوِيْ عَنْ يَحْيٰى..... قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَلِيِّ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ سَمِعْتُ اَبِيْ وَسَاَلْتُهُ

عَنْ حَدِيْثٍ رَوَاهُ بِنْدَارٌ عَنِ ابْنِ الْمَهْدِيِّ ----- فَقَالَ هٰذَا كَذِبٌ وَاَنْكَرَهُ اَشَدَّ الْاِنْكَارِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ الدَّوْرَقِيِّ ----- فَرَاَيْتُ يَحْيٰى لَا يَعْبَأُ بِهٖ وَيَسْتَضْعِفُهٗ قَالَ وَرَاَيْتُ الْقَوَارِيْرِيَّ لَا يَرْضَاهُ بِهٖ ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۷۱ ،۷۲)۔

یعنی عمر بن علی نے حلف اُٹھا کر کہا کہ یہ راوی ہر اس روایت میں جو وہ یحییٰ سے روایت کرتا تھا جھوٹ بولتا تھا۔ علی بن المدینی نے اس راوی کی اُس روایت کی جو اس نے ابن مہدی سے لی ہے کذب قرار دیا۔ یحییٰ ابن معین نے اس راوی کو بے وقعت اور ضعیف قرار دیا ہے اور اسے قواریری نے بھی پسندیدہ راوی قرار نہیں دیا۔ اسی طرح اس روایت کا دوسرا راوی یزید بن ہارون ہے، اس کے متعلق یحییٰ بن معین کا قول یہ ہے کہ یَزِیْدُ لَیْسَ مِنْ اَصْحَابِ الْحَدِیْثِ لِاَنَّہٗ لَا یُمَیِّزُ وَلَا یُبَالِیْ عَمَّنْ رَوٰی۔ (تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۶۸) کہ یہ راوی تو حدیث کے جاننے والوں میں سے تھا ہی نہیں۔ کیونکہ نہ یہ تمیز کرتا تھا اور نہ پروا کرتا تھا کہ کس سے روایت لے رہا ہے۔ پس یہ "چار کونسل" والی روایت بھی ناقابلِ اعتبار ہے۔

حیاتِ مسیح کی سولھویں دلیل

یَنْزِلُ اَخِیْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَآءِ عَلٰی جَبَلِ اَفِیْقَ۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۸ مصری)

جواب ۱:- یہ بے سند قول ہے۔

۲- صاحب کنز العمال نے اسے ابن عساکر کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اس کے آگے "کر" کے حروف درج ہیں اور ابن عساکر کے متعلق شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنے رسالہ عجالۂ نافعہ صفحہ ۷، ۸ پر تحریر فرماتے ہیں :- "وطبقۂ رابعہ احادیثے کہ نام ونشان آنہا در قرونِ سابقہ معلوم نبود ومتاخران انرا روایت کردہ اند۔ پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند وآنہارا اصلے نیافتہ اند تا مشغول بروایت آنہا مے شدند۔ یا یافتند ودراں قدحے وعلتے دیدند کہ باعث شد ہمہ انہارا بر ترکِ روایت انہا وعلیٰ کل تقدیر ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود وَلَنِعْمَ مَا قَالَ بَعْضُ الشُّیُوْخِ فِیْ اَمْثَالِ ھٰذَا ؎

فَاِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِيْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ
وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِيْ فَالْمُصِيْبَةُ اَعْظَمُ

وایں قسم احادیث راہ بسیارے از محدثین زدہ است ----- دریں قسم احادیث کتب بسیار مصنف شدہ اند برخے را بشماریم کتاب الضعفاء لابن حبان ---- تفسیر ابن جریر ----- تصانیف ابن عساکر۔"

یعنی طبقۂ رابعہ وہ حدیثیں ہیں جن کا نام ونشان پہلے قرنوں میں معلوم نہیں تھا اور متاخرین نے روایت کی ہیں تو ان کا حال دو شقوں سے خالی نہیں، یا سلف نے تفحص کیا اور انکی اصل نہ پائی کہ ان کی روایت سے مشغول ہوتے۔ یا انکی اصل پائی اور ان میں قدح اور علت دیکھی کہ روایت نہ کیا اور دونوں طرح یہ حدیثیں قابلِ اعتبار نہیں کہ کسی عقیدہ کی اثبات پر یا عمل کرنے کو ان سے سند لیں اور کسی بزرگ نے ان جیسوں کے متعلق

کیا خوب شعر فرمایا ہے کہ اگر تو تجھے علم نہ ہو تو یہ مصیبت ہے لیکن اگر تجھے علم ہو تو یہ مصیبت اور بھی بڑھ جاتی ہے اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کی راہزنی کی ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں بہت تصنیف ہوئی ہیں۔ تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں۔ کتاب الضعفاء لابن حبان ..... تفسیر ابن جریر ...... ابن عساکر کی جملہ تصانیف۔

پس یہ روایت ابن عساکر میں ہونے کے باعث ہی کمزور ہے۔

۳۔ تمہاری وہ منارۂ دمشقی کے پاس نازل ہونے والی روایت مندرجہ ترمذی، مسلم، ابوداؤد وغیرہ کہاں گئی؟

حیاتِ مسیحؑ کی سترہویں دلیل

معراج کی رات آنحضرت نے حضرت عیسٰیؑ کو دیکھا تو ان کا حلیہ عُروہ بن مسعود کی طرح بیان فرمایا (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الرویا۔ باب فی المعراج بروایت ابوہریرہ) (مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السمٰوٰت وفرض الصلوٰۃ بروایت جابر جلد ۱ صفحہ) اور مسلم میں دوسری جگہ جہاں آخری زمانہ میں نزول مسیح کا ذکر کیا ہے، وہاں بھی اس کا حُلیہ كَأَنَّهُ عُرْوَةُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ" (عروہ بن مسعود کی طرح) بیان فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسیح ایک ہی ہے (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۵۲ بار دوم)۔

جواب:۔ تمہاری پیش کردہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔

پہلی روایت: یہ روایت مسلم جلد ۱ صفحہ مصری میں ہے۔ اس کا ایک راوی ابوالزبیر محمد بن مسلم مکی ہے جو ضعیف ہے اس کے متعلق لکھا ہے۔ كَانَ اَيُّوْبُ يَقُوْلُ حَدَّثَنَا اَبُوْ الزُّبَيْرِ وَاَبُو الزُّبَيْرِ اَبُوْ الزُّبَيْرِ ..... كَانَ يُضَعِّفُهُ..... قُلْتُ لِشُعْبَةَ مَالَكَ تَرَكْتَ حَدِيْثَ اَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ رَاَيْتُهُ يَزْنِ ..... قَالَ شُعْبَةُ ..... قَدِمْتُ مَكَّةَ فَسَمِعْتُ مِنْ اَبِي الزُّبَيْرِ فَبَيْنَا اَنَا جَالِسٌ عِنْدَهُ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَسَاَلَهُ عَنْ مَسْئَلَةٍ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَافْتَرٰى عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ يَا اَبَا الزُّبَيْرِ تَفْتَرِيْ عَلٰى رَجُلٍ مُسْلِمٍ قَالَ اِنَّهُ اَغْضَبَنِيْ قُلْتُ وَمَنْ يُغْضِبُكَ تَفْتَرِيْ عَلَيْهِ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۴۰ و ۴۴۱ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ و صفحہ ۴۳۷)۔

یعنی ایوب اور عینیہ کہا کرتے تھے کہ ہم سے ابوزبیر نے روایت کی ہے اور ابوزبیر بس ابوزبیر ہی ہے یعنی وہ اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ ورقاء کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ سے پوچھا کہ آپ نے ابوزبیر کی روایت کو ترک کیوں کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے ...... ایکدفعہ میں مکہ میں ابوزبیر کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے سامنے ابوزبیر نے ایک شخص پر افتراء کیا، اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم ایک مسلمان پر افتراء کرنے کی جرأت کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس پر افتراء اس لئے کیا ہے کیونکہ اس نے مجھے غصہ دلایا تھا۔ میں نے کہا کہ کیا جو شخص تم کو ناراض کرے گا تو اس پر افتراء کریگا۔

۲۔ اس روایت کا دوسرا راوی قتیبہ بن سعید الثقفی ہے یہ بھی ضعیف ہے چنانچہ لکھا ہے۔ قَالَ الْعُقَيْلِيُّ حَدِيْثُهُ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ مَجْهُوْلٌ فِي النَّسَبِ وَالرِّوَايَةِ وَاِسْنَادُهُ لَا يَصِحُّ۔

(تہذیب التہذیب ابن حجر جلد ۳ ص۲۷۰ و میزان الاعتدال جلد ۲ ص۲۱۱) یعنی عقیلی نے کہا ہے کہ اس راوی کی روایت بالکل غیر محفوظ ہوتی ہے۔ یہ اپنے نسب اور روایات کرنے اور سند دینے میں مجہول تھا اور اس کی حدیث نہ مستند ہوتی ہے نہ ہی درست۔

یہ تو تمہاری پہلی حدیث کا حال ہے باقی رہی دوسری روایت (حلیہ بوقتِ نزول) سو وہ بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا ایک راوی شعبہ بن حجاج واسطی بصری ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔ کَانَ یُخْطِئُ فِیْ اَسْمَاءِ الرِّجَالِ کَثِیْرًا (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۳۴۵ و ص۳۴۶)۔ کہ عجلی کے نزدیک یہ راوی اسماء الرجال میں غلطی کیا کرتا تھا اور یہی خیال دارقطنی کا ہے۔

اس دوسری روایت کا دوسرا راوی عبید اللہ بن معاذ العنبری ہے سو اس کے متعلق ابن معین کہتے ہیں۔ اِبْنُ مُمَیْنَۃٍ وَشَہَابٌ وَعُبَیْدُ اللّٰہِ ابْنُ مَعَاذٍ لَیْسُوْا اَصْحَابُ حَدِیْثٍ لَیْسُوْا بِشَیْئٍ۔ کہ ابن ممینہ اور شہاب اور عبید اللہ بن معاذ تینوں علم حدیث نہ جانتے تھے اور نہ یہ راوی کسی حیثیت کے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص۴۹)

پس جب سابقہ مسیح کا حلیہ جس حدیث میں بتایا گیا ہے وہی ضعیف ہے اور اسی طرح نزول والی حدیث بھی۔ تو اندریں حالات اس مزعومہ یگانگت کو دلیل ٹھہرانا عبث ہے۔

حیاتِ مسیح کی اٹھارہویں دلیل

کیا حضرت موسیٰؑ زندہ ہیں؟

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے نورالحق ص۵۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی نسبت قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے۔ پس ہم پر فرض ہے کہ ہم ان کے آسمان پر زندہ ہونے پر ایمان لائیں۔ (محمدیہ پاکٹ بک ص۵۷۵)

جواب ۱:۔ اسی نورالحق میں تمہاری محولہ بالا عبارت سے سات ہی سطریں آگے لکھا ہے وَمَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا تُوُفِّیَ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِ عِیْسٰی الرُّسُلُ۔ اور اس کا ترجمہ بھی اسی جگہ درج ہے کہ "اور کوئی نبی ایسا نہیں جو فوت نہ ہوا ہو، اور حضرت عیسیٰؑ سے پہلے جو نبی آئے وہ فوت ہو چکے ہیں۔" (نورالحق ص۵۱)

پس جہانتک حضرت موسیٰؑ کی جسمانی وفات کا تعلق ہے اس کا فیصلہ تو اسی جگہ پر موجود ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کا یہی مذہب ہے کہ سب کے سب نبی بلا استثناء جسمانی طور پر فوت ہو چکے ہیں ایک بھی زندہ نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جو حضرت موسیٰؑ کی حیات کا ذکر فرمایا ہے تو وہ الزامی طور پر ہے یعنی یہ کہ اگر نصوص صریحہ قرآنیہ و حدیثیہ و عقلیہ کے باوجود حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت نہیں تو پھر کسی نبی کی بھی وفات ثابت نہیں ہوتی خصوصاً حضرت موسیٰؑ کی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے بعینہٖ یہی مضمون دوسری جگہ بالتفصیل تحریر فرمایا ہے:

"اب بتلاؤ کہ اسقدر تحقیقات کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے مرنے میں کیا کسر رہ گئی؟ اور اگر باوجود اس بات کے کہ اتنی شہادتیں قرآن و حدیث اور اجماع اور تاریخ اور نسخہ مرہم عیسیٰؑ اور وجود قبر سرینگر ہیں۔ اور معراج میں بزمرۂ اموات دیکھے جانا اور عمر ۱۲۰ سال مقرر ہونا اور حدیث سے ثابت ہونا کہ واقعہ صلیب کے بعد وہ کسی اور ملک کی طرف چلے گئے تھے اور اسی سیاحت کی وجہ سے ان کا نام نبی سیاح

مشہور ہوا۔ یہ تمام شہادتیں اگر ان کے مرنے کو ثابت نہیں کرتیں تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا، سب بجسم عنصری آسمان پر جا بیٹھے ہیں کیونکہ اس قدر شہادتیں ان کی موت پر ہمارے پاس موجود نہیں، بلکہ حضرت موسیٰؑ کی موت خود مشتبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ انکی زندگی کی یہ آیت قرآنی گواہ ہے یعنی یہ کہ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ (تحفہ گولڑویہ ص۱۵ بار سوم)

(ب) ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔ انہی مولویوں کی ایسی ہی کئی مفسدانہ باتوں سے عیسائیوں کو بہت مدد پہنچ گئی۔ مثلاً جب مولویوں نے اپنے منہ سے اقرار کیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو نعوذ باللہ مردہ ہیں مگر حضرت عیسیٰؑ قیامت تک زندہ ہیں تو وہ لوگ اہل اسلام پر سوار ہو گئے اور ہزاروں سادہ لوحوں کو انہوں نے انہی باتوں سے گمراہ کیا، اور ان بے تمیزوں نے یہ نہیں سمجھا کہ انبیاء تو زندہ ہیں، مُردہ تو ان میں سے کوئی بھی نہیں، معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی لاش نظر نہ آئی، سب زندہ تھے۔ دیکھئے اللہ جل شانہٗ اپنے نبی کریمؐ کو حضرت موسیٰؑ کی زندگی کی قرآن مجید میں خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہونے کے بعد اپنا زندہ ہو جانا اور آسمان پر اٹھائے جانا اور رفیق اعلیٰ کو جا ملنا بیان فرماتے ہیں۔ پھر حضرت مسیح کی زندگی میں کونسی انوکھی بات ہے جو دوسروں میں نہیں۔ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کو برابر زندہ پایا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کو حضرت یحییٰؑ کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔ خدا تعالیٰ مولوی عبدالحق صاحب محدث دہلوی پر رحمت کرے وہ ایک محدث وقت کا قول لکھتے ہیں کہ ان کا یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر کسی دوسرے نبی کی حیات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے قوی تر سمجھے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا شاید یہ لکھا ہے کہ قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے لیکن یہ مولوی ایسے فتنوں سے باز نہیں آتے اور محض اس عاجز سے مخالفت ظاہر کرنے کے لیے دین سے نکلتے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سب کو صفحۂ زمین سے اٹھا لے تو بہتر ہے تا دین اسلام انکی تحریفوں سے بچ جائے۔"

(اشتہار مشمولہ آئینہ کمالات اسلام مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۸۹۲ء نیز تبلیغ رسالت جلد ۲ ص۱۳۹)۔

ج:۔ اسی مضمون کو ایک اور جگہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

"ہاں اگر نص صریح سے ثابت ہو کہ حضرت عیسیٰؑ باوجود جسمانی حیات کے جسمانی تحلیلوں اور تنزل حالات اور فقدان قویٰ سے منزہ ہیں۔ تو وہ نص پیش کریں، اور یونہی کہہ دینا کہ خدا ہر بات پر قادر ہے ایک فضول گوئی ہے اور اگر بغیر سند صریح کے اپنا خیال ہی بطور دلیل مستعمل ہو سکتا ہے تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعد وفات پھر زندہ ہو کر مع جسم عنصری آسمان پر اٹھائے گئے ہیں، اور پیرانہ سالی کے لوازم سے مستثنیٰ ہیں اور حضرت عیسیٰ سے بدرجہا بڑھ کر تمام جسمانی قویٰ اور لوازم کاملہ حیات اپنی ذات میں جمع رکھتے ہیں اور آخری زمانہ میں پھر نازل ہوں گے۔ اب بتلاؤ ہمارے اس دعویٰ اور تمہارے دعویٰ میں کیا فرق ہے؟" (ایام الصلح اردو ص۴۱ طبع اول و ص۱۶۰ طبع ثانی)

پس یہ تینوں مفصل حوالہ جات نور الحق ص۵ کی مجمل عبارت کی تشریح ہیں اور مطلب یہ ہے کہ موسیٰ

علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء کی طرح جنت میں زندہ ہیں، اور ان کے ساتھ ہی حضرت عیسیٰ بھی ہیں۔ نیز یہ جواب غیر احمدی مولویوں کو ملزم کرنے کے لئے دیا گیا ہے یعنی بطور الزامِ خصم ہے نہ کہ اپنا عقیدہ۔

حیاتِ مسیح کی انیسویں دلیل

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اِنَّهٗ رُفِعَ بِجَسَدِهٖ وَاِنَّهٗ حَيٌّ الْاٰنَ (طبقات کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۶)

جواب ۱۔ یہ ایک جھوٹی اور جعلی روایت ہے چنانچہ اس کے سارے ہی راوی ضعیف ہیں پس یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نہیں ہو سکتا خصوصاً جب کہ بخاری شریف کی مستند روایات سے انکا مذہب مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ ثابت ہے تو اس کے بالمقابل یہ سراپا جعلی روایت کیا حقیقت رکھتی ہے؟

اس روایت کا پہلا راوی ہشام بن محمد السائب ہے قَالَ ابْنُ عَسَاكِرٍ رَافِضِيٌّ لَيْسَ بِثِقَةٍ عَنِ ابْنِ الْكَلْبِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۵۵) یعنی اس راوی کی تمام وہ روایات جو اس نے اپنے باپ سے ابو صالح کی معرفت ابن عباس سے روایت کی ہیں سب ضعیف ہیں اور روایت متنازعہ بھی اسناد کے لحاظ سے بعینہٖ "عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ" ہے، لہٰذا جھوٹی ہے۔

۲۔ دوسرا راوی محمد بن السائب الکلبی ہے۔ یہ تو کذاب سبائی جماعت میں سے تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا اس کے متعلق عبدالواحد بن غیاث کا قول ہے جو عن مہدی منقول ہے کہ یہ راوی کلبی کافر تھا معمر بن سلیمان کے باپ اور لیث بن ابی سلیم کا قول ہے:۔

كَانَ مِنْ كُوْفَةٍ كَذَّابَانِ اَحَدُهُمَا الْكَلْبِيُّ وَالْاٰخَرُ الْاَسَدِيُّ۔ کہ کوفہ میں دو کذاب تھے ایک تو یہی راوی کلبی اور دوسرا اسدی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۷۹ و صفحہ ۱۸۱) ؎

۳۔ ابو صالح:۔ اس کے متعلق لکھا ہے:۔ اَبُوْ صَالِحٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۸۱ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۹۳) کہ ابو صالح نے نہ حضرت ابن عباس کو دیکھا اور نہ ان سے کوئی حدیث سنی۔

پس یہ روایت از سرتاپا جعلی ہے۔

حضرت مسیح ناصری اُمتِ محمدیہ کا موعود نہیں ہو سکتے

حدیث نزول میں سے جس لفظ سے غلطی لگتی ہے وہ "ابن مریم" ہے۔ ابن مریم سے کیا مراد ہے؟ سو اسکی تشریح، صداقت حضرت مسیح موعودؑ پر اعتراضات کے جواب میں "ابن مریم بننے کی حقیقت" کے ذیل میں کی گئی ہے (صفحہ ۲۳) وہاں سے دیکھا جاتے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اُمتِ محمدیہ کے موعود بوجوہ ذیل نہیں ہو سکتے۔

اوّل:۔ قرآن وحدیث سے مسیح کی وفات بالصراحت ثابت ہو چکی ہے اور وفات یافتہ ہستیوں کے متعلق

؎ یہ راوی "امام الوضاعین" تھا۔ (فوائد المجموعہ صفحہ ۱۴۶)۔

فرمانِ الٰہی ہے۔ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهِ الْمَوْتَ (الزمر: ۴۳) کہ جس پر ایک دفعہ موت وارد ہو جائے وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا۔

دوم:۔ اگر مسیح ناصری اُمّتِ محمّدیہ یا ساری دُنیا کے لیے رسول ہو کر آئیں تو پھر قرآن مجید میں سے رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (آل عمران: ۵۰) کے الفاظ کاٹ دینے چاہئیں۔ کیا ایسی صورت میں قرآن مجید کی نعوذ باللہ اصلاح کروگے۔

پس جس صورت میں قرآن مجید قیامت تک واجب العمل ہے تو پھر حضرت مسیح ناصری اُمّتِ محمّدیہ یا غیر اسرائیلی دُنیا کی طرف نہیں آسکتے۔

سوم:۔ اُمّتِ محمّدیہ کو ارشاد ہوتا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۱۱) کہ تم سب اُمّتوں سے بہتر ہو۔ اب اگر اُمّتِ محمّدیہ میں سے کوئی عیسٰی بن مریم نہ بنے تو یہ فرمان بے معنی بن جاتا ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رُوحانیت کو بھی ناقص ٹھہرانا پڑیگا۔ کیونکہ آپکی قدوسیت ایک مسیح بھی نہ بنا سکی، بلکہ جب اُمّت اصلاح کی محتاج ہوئی تو بنی اسرائیل کے ایک نبی کے زیرِ بارِ احسان ہونا پڑا (نعوذ باللہ منہ)

چہارم:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح اور مسیح ناصری کا جو حُلیہ بیان فرمایا ہے۔ وہ بالکل متضاد اور متبائن ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ آنے والا مسیح اور ہے مسیح ناصری اور ہے چنانچہ آنحضرت فرماتے ہیں:۔

فَاَمَّا عِيْسٰى فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ (بخاری جلد ۲ کتاب بدء الخلق باب واذکر فی الکتاب مریم پارہ ۱۳ ص ۱۶۲) کہ مسیح ناصری سرخ رنگ، گھنگریالے بالوں اور چوڑے سینہ والا تھا۔

پھر آنے والے موعود کے متعلق فرمایا فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ كَاَحْسَنِ مَا يُرٰى مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهٗ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجِلُ الشَّعْرِ (بخاری کتاب بدء الخلق باب واذکر فی الکتاب مریم پارہ ۱۳ جلد ۲ ص ۱۵۳ مترجم) کہ اس کا رنگ گندمی ہوگا اور خوبصورت ہوگا۔ اس کے سر کے بال پیٹھ پر پڑتے ہوں گے۔ درمیانہ قد کا آدمی ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ علیحدہ علیحدہ دو مسیح ہیں۔

مسیح اور مہدی ایک ہیں

اب اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ آنے والا مسیح ناصری نہیں، یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ بعض مسلمانوں کا یہ خیال کہ مسیح و مہدی دو اشخاص ہیں نادرست ہے۔ اوّل:۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ نے جہاں آخری زمانے کے مصلح کا ذکر فرمایا ہے وہاں بر صرف مسیح کا نام آتا ہے اور مہدی کا ذکر تک نہیں فرماتے ہیں:۔

كَيْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اٰخِرُهَا (مشکوٰۃ جزء ۴ ص ۵۸۳ باب ثواب هٰذه الامة) (اکمال الدین ص ۱۵۷ شیعہ کتاب) (کنز العمال جلد ۷ ص ۲۰۳ کتاب القیامۃ باب نزول عیسٰی من قسم الاقوال۔) (حجج الکرامہ ص ۴۲۲) کہ وہ اُمّت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کا اوّل میں اور آخر مسیح ہے۔ اگر حضرت امام مہدی کوئی

علیحدہ وجود ہوتے تو ان کا بھی ذکر فرماتے۔ پس معلوم ہوا کہ دونوں ایک وجود ہیں۔

دوم:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح موعود کو مہدی بھی قرار دیا ہے جیسے فرمایا۔ یُوْشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ اَنْ يَلْقٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِمَامًا مَهْدِيًّا وَحَكَمًا عَدْلًا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۱۱) کہ عیسیٰ بن مریم جو اُمّت کے موعود ہیں وہ امام مہدی بھی ہونگے اور حکم عادل بھی ہوں گے۔

مہدی کی پیشگوئی کے لئے جو لفظ رکھے ہیں وہی یہاں رکھ کر بتا دیا کہ ہماری مراد وہی مہدی ہے۔

سوم:۔ محدثین نے باب مہدی کی سب احادیث کو مجروح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون لیکن اس ضمن میں یہ حدیث صحیح ہے۔ لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ (ابن ماجہ جلد ۲ کتاب الفتن حدیث ۴۰۳۹ باب شدۃ الزمان) کیونکہ اس کا راوی محمد بن خالد الجندی معتبر ہے کیونکہ اس سے امام شافعیؒ جیسے نقاد نے روایت لی ہے اور ابن معین نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۴۴) اور پھر یحیٰی بن معین کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ هُوَ اِمَامُ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ ہے اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ كُلُّ حَدِيْثٍ لَا يَعْرِفُهُ ابْنُ مَعِيْنٍ فَلَيْسَ هُوَ بِحَدِيْثٍ (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۸۰ تا صفحہ ۱۸۸) کہ جس حدیث کو ابن معین نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں پس ایسا شخص جس راوی کو ثقہ قرار دیتا ہو اس کی روایت میں کیونکر اشتباہ ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مسیح ہی مہدی ہے اور کوئی مہدی نہیں۔

چہارم:۔ مسیح موعود اور مہدی معہود کے حُلیہ، کام اور حالتِ نزول کے ایک ہونے سے ظاہر ہے کہ دراصل ایک ہی وجود ہے لیکن مختلف حیثیتوں سے جُدا جُدا ناموں سے پکارا گیا ہے۔

مسیح موعود کا حُلیہ

فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ كَاَحْسَنِ مَا يُرٰى مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ (بخاری کتاب الانبیاء باب "واذکر فی الکتاب مریم" جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ مصری)۔

مہدی معہود کا حُلیہ

اٰدَمُ ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ (۱۔ رواہ ابونعیم کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۲، ۲۔ النجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۹۰، ۳۔ مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ صفحہ ۹۶ جلد ۱ مصری)۔

یعنی آنے والا موعود مسیح اور مہدی گندمی رنگ اور درمیانہ قد کا ہوگا۔

مسیح کی حالتِ نزول

يَنْزِلُ بَيْنَ مَهْرُوْدَتَيْنِ (ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی علامات خروج الدجال جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ۲۔ مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال)۔

مہدی کی حالتِ نزول

عَلَيْهِ عَبَاءَتَانِ قُطُوْانِيَّتَانِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ (ابوداؤد) یعنی اس پر دو زرد چادریں ہونگی۔

مسیح کا کام

يُفِيْضُ الْمَالَ (مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم جلد ۱۔ و بخاری کتاب باب نزول عیسیٰ بن مریم)، وَلَيُدْعَوُنَّ اِلَى الْمَالِ۔ (بخاری کتاب الانبیاء۔ باب نزول عیسیٰ بن مریم و مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم جلد ۱)۔

مہدی کا کام

فَیَقْسِمُ الْمَالَ وَیَعْمَلُ فِی النَّاسِ بِسُنَّۃِ نَبِیِّھِمْ (سنن ابوداؤد۔ کتاب المہدی بروایت اُم سلمہؓ حدیث ۳) پس معلوم ہوا کہ مسیح اور مہدی ایک ہی وجود ہیں۔

اب جب مسیح ناصری اُمّتِ مرحومہ کا موعود نہیں تو سوال ہوگا کہ پھر ابن مریم کیوں فرمایا؟ تو یاد رہے کہ تشابہ صفات کی وجہ سے ایک شخص کا نام دوسرے کو دیا جاتا ہے جیسا بخاری مطبوعہ مصر جلد ۱ صـ۸۵ و صـ۸۵ اور صـ۹۲ و صـ۹۳ پر یہ حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی بیویوں کو فرمایا اِنَّکُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ (نوٹ:۔ یہ مکمل الفاظ نسائی میں ہیں۔ باختلاف الفاظ بخاری اور ابن ماجہ میں بھی ذکر ہے)۔ کہ تم یوسف والیاں ہو۔ اس میں آپ نے اپنے آپ کو یوسف اور اپنی ازواج مطہرات کو یوسف والیاں ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ آپؐ یوسف نہ تھے۔

پس معلوم ہوا کہ مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے ایک کا نام دوسرے کو دیدیا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص حاتم ہے یا بولتے ہیں، ابو یوسف، ابو حنیفہ۔ کیا ابو یوسف ابو حنیفہ ہے؟ کیونکہ ان میں غایت درجہ کی مماثلت تھی۔ اسی طرح مسیح موعود کا نام مثیل ابنِ مریم ہونے کی وجہ سے ابن مریم ہوگیا ؎

چوں مَرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند ✦ مصلحت را ابنِ مریم نام من بنہادہ اند

(درثمین فارسی صـ۱۳۹ نیا ایڈیشن مطبوعہ نظارت اشاعت)

اس طرح یہ بھی ہے ؎

چوں مرا حکم از پئے قومِ مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابن مریم نامِ من بنہادہ اند

(حقیقۃ الوحی صـ۳۹۲ ایڈیشن اوّل)

عقیدہ حیاتِ مسیحؑ اور حضرت مسیح موعودؑ

بعض غیر احمدی خصوصیت سے براہینِ احمدیہؑ کی وہ عبارت پیش کیا کرتے ہیں جس میں حضرت اقدسؑ نے مسیح ناصریؑ کو زندہ تسلیم کیا ہے۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ کیا براہین احمدیہ کی تحریر کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپکو قرآن مجید کا علم صحیح نہیں دیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیا تھا۔ چنانچہ براہین احمدیہؑ کی محولہ بالا عبارت نکال کر دیکھ لو۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ درباره حیات مسیح درج فرمایا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی جو علم آپ کو اللہ کی طرف سے اس بارے میں دیا گیا تھا وہ بھی درج فرما دیا ہے۔ اِس جگہ ہم وہ عبارت درج کرتے ہیں:۔

"جس غلبۂ کاملہ دینِ اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئیگا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا۔ لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور

ایثار اور آیات اور انوار کے رو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے۔ اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بحدّے اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے اور نیز ظاہری طور بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰؑ کا تابع اور خادمِ دین تھا اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبیؐ کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سیّد الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے اگر وہ حامد ہیں تو وہ احمد ہے اور اگر وہ محمود ہیں تو وہ محمدؐ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو چونکہ اس عاجز کو مسیح سے مشابہتِ تامہ ہے، اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔"

(براہینِ احمدیہ ہر چہار حصص صـ ۴۹۹)

اب دیکھو کہ حضرت اقدسؑ نے کس صفائی سے اپنے خیال کو جو دوسرے مسلمانوں کے رسمی عقیدہ پر مبنی تھا، نہایت سادگی سے بیان فرما دیا ہے، لیکن جو علم اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا اس کو بھی نہایت صفائی سے بیان فرما دیا ہے۔ منقولہ بالا عبارت میں "لیکن اِس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے" کے الفاظ خصوصیت سے قابلِ غور ہیں، کیونکہ "لیکن" کا لفظ بتاتا ہے کہ اس سے پہلے جو لکھا گیا اس کے خلاف اب کچھ لکھا جانے لگا ہے۔ "ظاہر کیا گیا ہے" کے الفاظ بتاتے ہیں کہ جو اس سے پہلے لکھا گیا وہ اللہ تعالےٰ کے بتاتے ہوئے علم کی بناء پر نہیں، بلکہ عام انسانی خیال کی بناء پر ہے۔ لیکن مابعد جس مشابہتِ تامہ اور پیشگوئی مسیحِ موعود کا مصداق ہونے کا جو مذکور ہے وہ صحیح علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام "کشتی نوح" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی واسطے میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہینِ احمدیہؔ میں لکھ دیا تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر وہ گواہ ہو، وہ میرا لکھنا جو الہامی نہ تھا، محض رسمی تھا۔ مخالفوں کے لئے قابلِ استناد نہیں کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعویٰ نہیں۔"

(کشتی نوح صـ ۴۷)

پس براہین احمدیہ کے حوالے حیاتِ مسیح کی سند میں پیش کرنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہودی اپنے قبلہ کی تائید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بطور سند کے پیش کرے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ فعل محض رسمی تھا۔ کیونکہ سنتِ انبیاء یہی ہے کہ وہ پہلے نبی کی اُمّت کے عام عقائد اور اصولی اعمال پر کاربند رہتے ہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص حکم کے ذریعہ ان کو روکا نہ جائے۔ یہی حال یہاں ہے۔

(خادمؔ)

عدمِ رجوعِ موتیٰ

مُردوں کا اِس دُنیا میں دوبارہ نہ آنا !

از روئے قرآن کریم

◉

پہلی آیت

وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (الانبیاء: ۹۶) یعنی ہر ایک فوت شدہ بستی پر واجب ہے کہ وہ اِس دُنیا کی طرف واپس نہ آئیں گے۔

دوسری آیت

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (یٰس: ۳۲) کیا انکو معلوم نہیں کہ ہم نے کسقدر لوگ ان سے پہلے ہلاک کئے اور پھر وہ دوبارہ انکی طرف نہیں آتے۔

تیسری آیت

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ (یٰس: ۵۱) جب موت آجاتی ہے تو نہ وصیت کرسکتے ہیں اور نہ ہی دوبارہ اپنے اہلِ عیال کی طرف آسکتے ہیں۔

چوتھی آیت

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المومنون: ۱۰۰ و ۱۰۱) کہ یہانتک کہ ان میں سے جب ایک مرجاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس لوٹا دے تاکہ میں اعمالِ صالحہ بجالاؤں لیکن یہ بات ہرگز نہ ہوگی۔ یہ صرف ایک بات ہے جو وہ مُنہ سے کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے ایک روک ہے۔ قیامت کے دن تک۔ یعنی وہ دُنیا میں ہرگز نہیں آسکتے۔

پانچویں آیت

فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى (الزمر: ۴۳) اللہ تعالیٰ روکے رکھتا ہے اس نفس کو جس پر موت کو وارد کرتا ہے، اور سونے والے نفس کو واپس بھیجتا ہے۔ یعنی مُردہ نفس دوبارہ کبھی نہیں آتا۔

چھٹی آیت

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا (البقرہ: ۱۶۸) یعنی کہیں گے وہ جنہوں نے پیروی کی بُتوں کی، کاش! ہمارے لئے بھی دُنیا میں لَوٹنا ہوتا تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہوجاتے جیسے یہ (آج) ہم سے بیزار ہوئے۔ یعنی افسوس کہ دُنیا میں ہمیں دوبارہ نہ لَوٹایا گیا۔

ساتویں آیت ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (المومنون : ۱۶،۱۷) پھر پیدائش کے بعد تم مروگے اور مر کر پھر قیامت کے دن ہی اُٹھائے جاؤ گے۔ اس سے پہلے ہرگز نہ اُٹھائے جاؤ گے۔

آٹھویں آیت وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانعام : ۲۸) کہ جب کفار پر کھڑے کئے جائیں گے تو وہ کہیں گے اے کاش! ہم دوبارہ دُنیا میں لوٹائے جاتے، تو نہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے بلکہ مومنوں میں سے ہوتے۔

نوٹ :۔ اس جگہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ تو کفار کے لئے ہے مومن لوٹائے جا سکتے ہیں، تو یاد رہے کہ عقلاً اگر دُنیا میں کوئی لوٹایا جانا چاہیئے تو وہ کفار ہی ہیں تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں مومنوں کو تو آنے کی ضرورت ہی نہیں۔ پس جب کفار بھی لوٹائے نہ جائیں گے تو ماننا پڑیگا کہ کوئی بھی اس دُنیا میں (واپس) نہ آئے گا۔

ایک اور طرح سے استدلال قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ مرنے والے انسان کی رُوح بعد از مرگ فوراً اپنے اعمال کے مطابق جزا سزا پانے لگ جاتی ہے۔ مومنوں کی ارواح اعلیٰ علیین میں اور منکرین کی اسفل السافلین میں بھیج دی جاتی ہیں۔

ضرورت اس مضمون کی دو جگہ ضرورت ہوتی ہے ایک تو تب جب وفاتِ مسیح عقلاً نقلاً ثابت ہونے پر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہوا اگر مر گئے تو خدا تعالیٰ پھر زندہ کر دے گا۔ دوسرے عجوبہ پسند لوگ حضرت عیسیٰؑ کو محی الاموات حقیقی معنوں میں مانتے ہیں۔ تو اس مضمون سے دونوں کی تردید ہو جاتی ہے۔

عدم رجوعِ موتیٰ از احادیث

۱۔ قَالَ یَا عَبْدِیْ تَمَنَّ عَلَیَّ اُعْطِكَ قَالَ یَا رَبِّ تُحْیِیْنِیْ فَاُقْتَلُ فِیْكَ ثَانِیَةً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِنَّهٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّیْ اِنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ فَنَزَلَتْ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۔ الایة (رواہ الترمذی)، بحوالہ مشکوٰۃ مجتبائی ۵۵۴ باب جامع المناقب)۔ کہ اللہ تعالیٰ نے شہید جابرؓ کے باپ کو فرمایا کہ کوئی آرزو کر۔ اس نے کہا، اے میرے رب مجھے دنیاوی زندگی بخش کہ تیرے راستہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔ فرمایا کہ یہ تو میرا قانون ہو چکا ہے کہ یہاں سے دُنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے۔

۲۔ وَقُلْنَا ادْعُ اللّٰهَ یُحْیِیْهِ لَنَا فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِصَاحِبِكُمْ۔۔۔۔۔۔اِذْهَبُوْا فَادْفِنُوْا صَاحِبَكُمْ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ مجتبائی ۲۳۶ باب ما یحل اَحَلَّهٗ وما یحرم) کہ ایک آدمی فوت شدہ کے متعلق صحابہؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ حضورؐ! دُعا فرمائیں کہ یہ زندہ ہو جائے تو آپ نے فرمایا۔ تمہیں چاہیئے کہ اب اس کے لئے دُعائے مغفرت کرو اور دفن کر دو۔

اِس حدیث سے صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مُردوں کو دوبارہ اس دُنیا میں زندہ کرکے نہیں بھیجتا، انبیاء بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ احباب غور کریں کہ اگر حضرت عیسٰیؑ فی الواقعہ مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیوں نہ کیا؟ محض اس لئے کہ خدا کے قانون کے برخلاف ہے۔ هٰذَا هُوَ الْمُرَادُ۔

عدم رجوعِ موتیٰ پر اجماعِ امت سے کیونکہ کسی حدیث اور تفسیر اور فقہ وغیرہ میں کسی مسلمان نے ایسے احکام بیان نہیں کئے کہ اگر مُردہ دوبارہ لَوٹ آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بیوی، مال وغیرہ اس کو ملیگا یا نہیں؟ پس شریعت کے باوجود مکمل ہونے کے اور فقہاء کا بھی اس کا ذکر نہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ یہ عقیدہ ہی باطل ہے۔ وہُوَ المقصود۔